رسول اللہ ﷺ کے امتیازات

ترجمہ

خلاصہ غایۃ السول فی خصائص الرسول

تالیف

علامہ سراج الدین ابن الملقن شافعی

عربی تلخیص

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

اردو ترجمہ

ابو الحسن ارشد کاندھلوی

ناشر

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی

محلہ مولویان، کاندھلہ ضلع شاملی
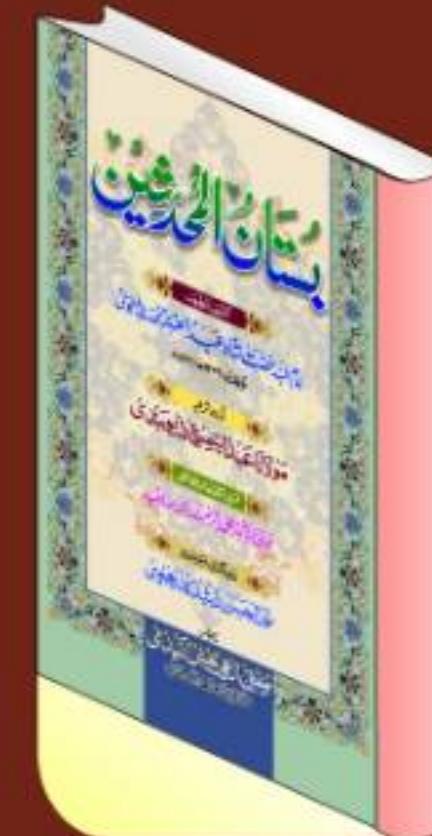
Published by:

MUFTI ILAHI BAKHSH ACADEMY

Molviyan, Kandhla, Distt. Shamli (Muzaffarnagar)

U.P. - 247775 (INDIA)

رسول اللہ ﷺ کے امتیازات

ترجمہ

خُلَاصَہْ،غَایۃُ السُّوْل فِي خَصَائِصِ الرَّسُولِ ﷺ

تالیف

علامہ سراج الدین ابن الملقّن، شافعی

وفات: ۸۰۴ھ

عربی تلخیص

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

وفات: ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء

اردو ترجمہ

ابوالحسن ارشد کاندھلوی

ناشر

[مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ، ضلع شاملی، یوپی، ہند]

رَبَّـنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ

□ □

اَللّٰهُمَّ انفعنِي بِمَا حَرَّرتُ وَانفَع أَولَادِي
وَاَحفَادِي وَأَحبَابي. آمِينْ

[الملخّص]

رسول اللہ ﷺ کے امتیازات

ترجمہ

خُلَاصَہْ،غَایةُ السُّوْل فِي خَصَائِصِ الرَّسُولِ ﷺ

تالیف

علامہ سراج الدین ابن الملقّن، شافعی

عربی تلخیص

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

اردو ترجمہ

ابوالحسن ارشد کاندھلوی

فہرست مضامین

رسول اللہ ﷺ کے امتیازات

ترجمہ

خُلَاصَۃْ،غَایَۃُ السُّوْل فِي خَصَائِصِ الرَّسُولِ ﷺ

تالیف

علامہ سراج الدین ابن الملقّن، شافعی

عربی تلخیص

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی

علامہ ابن الملقن

کے مختصر حالات

نام ونسب اور ولادت: امام حافظ عمر بن علی بن احمد بن محمد بن عبداللہ، سراج الدین، ابوحفص انصاری، مصری شافعی، ابن ملقن کے لقب سے مشہور ہیں۔

ماہ ربیع الاول سنہ ۷۲۳ میں مصر کے مشہور شہر قاہرہ میں ولادت ہوئی۔ ان کے والد اصلاً اندلس کے باشندہ تھے، ایک مدت تک افریقہ کے مغربی علاقے تکرور میں قیام پذیر رہے، پھر قاہرہ میں مستقل قیام کرلیا تھا۔ جہاں درس وتدریس کے مشغلہ میں ہمہ تن مصروف رہے، ان کے شاگردوں میں علامہ جمال الدین اسنوی [عبدالرحیم بن حسن بن علی بن ابراہیم ابومحمد] مؤلف طبقات الشافعیہ شامل ہیں۔

تربیت وپرورش: والد کی وفات کے وقت ابن ملقن صرف چند سال کے تھے، والد نے شیخ عیسی مغربی [جو ایک مرد صالح اور قاہرہ کے جامع مسجد ابن طولوں میں قرآن کی تعلیم دیتے تھے] کو اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت کی وصیت کی تھی، شیخ عیسیٰ مغربی نے مرحوم کی بیوہ سے نکاح بھی کرلیا، ابن ملقن ان دونوں کے زیر تربیت پروان چڑھے۔ چونکہ شیخ عیسیٰ مغربی جامع مسجد میں، لوگوں کو تلقین قرآن کیا کرتے تھے، اس لئے شیخ عمر، ابن ملقن کے نام سے مشہور ہوگئے۔

علامہ سخاوی [مؤلف الضوء اللامع] نے لکھا ہے کہ ابن ملقن اس لقب کو ناپسند کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر میں کبھی بھی یہ لفظ نہیں لکھا، وہ ابن النحوی لکھا کرتے تھے، اسی لقب سے وہ ملک یمن میں مشہور ہیں۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم، اپنے سوتیلے والد اور وصی شیخ عیسیٰ مغربی سے حاصل کی، حفظ قرآن انہیں کے پاس مکمل کیا، اور عمدۃ الاحکام کے حفظ سے بھی فارغ ہوگئے۔ شروع شروع میں مذہب مالکی کی طرف مائل تھے، لیکن اپنے والد محترم کے شاگرد، حافظ ابن جماعہ [ابوعمر عبدالعزیز بن محمد کنانی شافعی] کے مشورہ سے، امام نووی کی مشہور کتاب منہاج الطالبین کو پڑھا اور حفظ کرلیا، اور فقہ شافعی کی طرف مائل ہوگئے۔

علم فقہ علامہ تقی الدین سبکی [م:۷۵۶ھ] علامہ جمال الدین اسنوی [م:۷۷۲ھ] علامہ کمال الدین احمد بن عمر شیبانی [م:۷۵۷ھ] علامہ عزالدین ابوعمر عبدالعزیز بن محمد کنانی ابن جماعہ [م:۶۲۳ھ] سے اور علوم عربیت شیخ ابوحیان [محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان م:۷۴۵ھ] جمال ابن ہشام [عبداللہ بن یوسف بن احمد بن عبداللہ جمال الدین م:۷۶۱ھ] اور ابن صائغ [محمد بن عبدالرحمٰن م:۷۷۶ھ] سے، علم قرأت علامہ برہان رشیدی [برہان الدین ابراہیم بن لاجین رشیدی م:۷۴۹ھ] اور علم حدیث علامہ ابوالفتح ابن سید الناس یعمری [۷۳۴ھ] قطب حلبی [۷۳۵ھ] مصر میں ابن عبدالدائم [۶۶۸ھ] کے شاگردوں، جیسے ابوعبداللہ بن سراج کاتب [۷۴۷ھ] محمد بن غالی [۷۴۱ھ] شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالہادی [۷۸۹ھ] اور شیخ احمد بن کشتغدی [۷۴۴ھ] وغیرہ اور دیگر محدثین سے حاصل کی۔

ستر سال کی عمر میں دمشق کی طرف سفر کیا، وہاں امام فخر الدین علی بن بخاری مقدسی [۶۹۰ھ] کے قدیم شاگردوں سے حدیث کا سماع کیا، علامہ ابن ملقن کا بیان ہے کہ انہوں نے وہاں ہزاروں اجزاء حدیث سنے۔

ابن فہد کے بیان کے مطابق، انہوں نے وہاں فقہ اور دوسرے فنون میں ادراک تام پیدا کیا، درس ومسند افتاء کو زینت بخشی۔ نیز تصنیف وتالیف میں اپنا مقام پیدا کیا۔ ایک روایت کے مطابق، انہوں نے بڑی عمر میں ہر مذہب کی کتابیں پڑھی اور افتاء کی اجازت

حاصل کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ علم ومعرفت کے جامع ،علوم دینیہ اوراس کے متعلقات کے تمام فنون کے حامل تھے۔

علامہ ابن ملقن علماء کی نظر میں: برہان حلبی کا بیان ہے کہ میں نے ایک عرصہ تک علامہ کی خدمت میں رہا، کبھی خلاف سنت کوئی عمل کرتے نہیں دیکھا۔[۱]

علامہ سخاوی کا کہنا ہے کہ علامہ عوام سے دور رہا کرتے تھے،صرف درس کے لئے نکلتے یا تفریح کے لئے باہر آتے تھے، یہ ان کے کمال ورع کی بات ہے۔ نیکوں اور غریبوں سے محبت کرتے تھے اوران کی قدر کرتے تھے، جوان کے تواضع کی دلیل ہے۔

انباء الغمر میں حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ،علامہ درازقد،قبول صورت،خوش گفتار، صاحب اخلاق،انصاف پسند اورشاگردوں کے ساتھ خوب اٹھنے بیٹھنے والے تھے۔[۲]علامہ غماری نے ان الفاظ میں ابن الملقن کی مدح کی ہے:

الشیخ الامام، علم الاعلام، فخر الأنام، أحد مشائخ الاسلام علامة العصر ،بقية المصنفين و المدرسين، سيف المناظرين مفتي المسلمين.

ابن فہد نے تذکرۃ الحفاظ کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے، کہ علامہ تاج الدین سبکی نے ان کی مدح سرائی کی ہے۔[۳]

برہان حلبی [سبط ابن عجمی] کے بقول: تصنیف میں یگانہ روزگار تھے،تصنیف کے باب

(۱)الضوء اللامع: ٦/١٠٤
(۲) انباء الغمر: ٥/٤٥
(۳) الضوء اللامع: ٦/١٠٤
(۴) الضوء اللامع: ٤/١٩٨

میں ان کی تحریریں واضح اور شستہ ہیں، اوراحسان اور تواضع کے باب میں بھی قابل تعریف گردانے جاتے تھے۔

حافظ نے **انباء الغمر** میں لکھا ہے کہ کثرت تصانیف کی برکت سے، دنیا ان کے لئے کشادہ ہوگئی تھی ،اوران کی تصانیف کی تعداد ،بشمول چھوٹی بڑی کتابوں کے، تین سو ہوتی ہے۔[۱]

شیوخ وتلامذہ: علامہ تقی الدین سبکی ،علامہ جمال الدین اسنوئی ،کمال الدین نشائی اورعزالدین بن جماعہ علم فقہ کے استاد تھے، ابوحیان ، جمال الدین بن ہشام ،شمس محمد بن عبدالرحمٰن صائغ علم عربیت کے اور برہان رشیدی علم قرأت کے استاذ تھے،حصول علم حدیث کا شرف ابوالفتح ابن سیدالناس یعمری ،قطب الدین حلبی ،علامہ مغلطائی ، زین الدین ابوبکر رحبی ، جن سے بخاری شریف پڑھی ،اورمصر میں ابن عبدالدائم کے بے شمار شاگردوں سے حاصل کیا، جن میں سے ابوعبداللہ سراج کاتب ،محمد بن غالی ،عبدالرحمٰن بن عبدالہادی ،احمد بن کشتغدی ، حسن بن سدید،احمد بن محمد بن عمر حلبی ،احمد بن علی بن مشتولی ،محمد بن احمد فاروقی ،ابوالقاسم میدومی اورابراہیم بن علی زرزاری قابل ذکر ہیں۔

علامہ سخاوی کے بقول،متقدمین کی ایک جماعت سے اجازت حدیث کا شرف بھی حاصل کیا،جن میں ابن مالک نحوی اورامام محی الدین نووی سرفہرست ہیں۔

علامہ مزی اور شیخ شمس الدین عسقلانی کے علاوہ مصروشام کے دیگر علماء نے اجازت حدیث سے ان کو نوازا تھا۔

ان کے بے شمار شاگردوں میں سے ابراہیم بن محمد بن خلیل حلبی شافعی ہیں، جو سبط بن عجمی [م:۸۴۱ھ] کے لقب سے مشہور ہیں یہ ملک شام کے حافظ حدیث شمار ہوتے ہیں۔

(۱)الضوء اللامع: ٥/٤٢

اورابن الملقن سے غـــایة السـؤل براہ راست نقل وروایت فرماتے تھے،ان کے علاوہ ابن ناصرالدین دمشقی، محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد قیسی دمشقی شافعی [م:۸۳۷ھ] اور شیخ المحد ثین حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ شامل ہیں،اگرچہ حافظ ابن حجر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن الملقن کی صحبت اختیار نہیں کی۔

علامہ ابن ملقن پر علمائے وقت کے تبصرے: حافظ ابن حجر نے ان پر شدید تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

وکـان یـکتـب فی کل فن، سواء أتقنة أو لم یتقنه، ولم یکن متقنا فی علوم الحدیث ولا له ذوق اهل الفن.[1]

حافظ ابن حجر نے اور آگے بڑھ کر علامہ ابن الملقن پر سرقہ کی تہمت بھی لگادی ہے۔

اتّهمه ابن حجر بالسرقة من کتب الناس.[2]

تبصروں کی تردید: تاہم علامہ سخاوی نے الـضـوء الـلامـع میں،ان تنقیدات کا جواب دیا ہے۔فرماتے ہیں:

وفي هذا من التحامل مالا یخفی علی مصنف[3]

علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ ان کی عظمت کا اندازہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے، جو اس بات پر دال ہیں کہ وہ تمام علوم وفنون کے امام تھے،ان کی شہرت اور تصانیف پوری دنیا میں پھیل گئی تھیں۔

(۱) ابـن حـجـر عسـقـلانـی ، شـاکـر محمود عبدالمنعم، المعجم المؤسس للحافظ ابن حجر، تحقیق محمد شکور صیادینی. ۱/ ۳۰۹

(۲) المعجم المؤسس ابن حجر ۱/ ۹۹

(۳) الضوء اللامع ۶/ ۱۰۴

علامہ ابن الملقن کی تصانیف: علامہ ابن الملقن، کثیر المطالعہ وسیع العلم اور سریع القلم مصنف تھے،اکثر اسلامی علوم ومباحث پر اعلیٰ درجہ کی متعدد تصانیف یادگار ہیں، غـایة السـؤل کے مرتب،علامہ بحر الدین عبداللہ نے علامہ ابن الملقن کی چھپن کتابوں کی فہرست شامل کی ہے،جس میں **التوضیح شرح الجامع الصحیح للبخاري** تیئس جلدوں میں قطر سے شائع ہو چکی ہے،اور بھی متعدد بڑی تصانیف ہیں، جو تین سے آٹھ جلدوں میں مرتب ومکمل ہوئیں ہیں، یہاں ان سب کی تفصیل کا موقع نہیں،ان ہی میں سے ایک معروف مگر نسبۃً کم یاب تالیف: ''**غایة السؤل فی خصائص الرسول** [ﷺ]'' ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ،عبداللہ بحر الدین عبداللہ صاحب کی تحقیق وتالیف سے مرتب ہوکر، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت سے چھپی ہے۔

وفات: علامہ ابن الملقن کی شب جمعہ ۱۶/ربیع الاول ۸۰۴ھ [اکتوبر ۱۴۰۱ء] میں وفات ہوئی۔اپنے والد کے قریب دفن کئے گئے۔رحمہ اللہ تعالیٰ

غـایة السؤل في خصائص الرسول [ﷺ]

سیرت پاک کا موضوع بہت وسیع جامع اور شاخ درشاخ موضوع ہے،جس کی تمام جہات اور پہلوؤں کا احاطہ،نہ آج تک ممکن ہوا ہے،نہ آئندہ کبھی ہو سکے گا۔

لایُمکن الثناء کما کان حقه

بعد ازخدا، بزرگ توئی قصہ مختصر

اس کا ایک عنوان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ''**خصائص النبوي**'' کا بھی ہے،اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازات وکمالات کے تذکرہ کا اور اہتمام ہوتا ہے، جو اس ذات بابرکات کے ساتھ مختص ہیں،مگر یہ موضوع اس درجہ نازک اور حساس ہے کہ اس

میں بہت احتیاط سے قدم بڑھانا اور قلم چلانا ہوتا ہے، پھر بھی کہیں نہ کہیں کبھی کچھ رہ جاتا ہے، کہیں کچھ بڑھ جاتا ہے، لیکن اس خطرہ کے باوجود، چند بڑے علماء نے اس پر لکھا ہے اور اپنی معلومات ومطالعہ کو محفوظ کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اسی احتیاط اور موضوع کی نزاکت کی وجہ سے، اس کی تصانیف انگلیوں پر گنی جاتی ہیں، ان میں سے ایک تالیف، مشہور عالم ومحدث، علامہ سراج الدین، ابن الملقن [وفات: ۸۰۴ھ] کی ہے۔

اگرچہ مصنف کے دور سے اس کتاب سے استفادہ کی اطلاعات ملتی ہیں مگر اس کی ویسی شہرت نہیں ہوئی، جو اس موضوع اور اس کے بلند پایہ کی وجہ سے ہونی چاہئے تھی۔

اس کے قلمی نسخے بھی عام نہیں ہیں، عبداللہ بحر الدین عبداللہ صاحب نے غایۃ السؤل پہلی بار مرتب کر کے شائع کیا ہے، ان کی پانچ نسخوں تک رسائی ہو سکتی ہے، مزید نسخوں کا بہت کم سراغ ملتا ہے۔

عبداللہ بحر الدین صاحب نے جن دو نسخوں سے استفادہ کیا ہے، ان میں سے ایک نسخہ[1] تمام نسخوں سے مستغنی کرنے والا، نہایت قیمتی اور مستند نسخہ ہے، اس نسخہ یا اس جیسے معتمد نسخوں کے بعد، کسی اور نسخہ کی ضرورت عموماً باقی نہیں رہتی۔ یہ نسخہ حضرت مصنف کے نسخہ کی نقل ہے جس کو محمد بن احمد بن عمر بن الضیا دابن العجمی نے مصنف کے نسخہ سے مصنف کی حیات میں نقل کیا ہے، اور اس میں بڑے علماء اور محدثین کے علاوہ، خود مصنف کے بیٹے، شیخ نورالدین ابن الملقن نے بھی پڑھا ہے۔ ۸۲ےھ اور ۸۶ےھ کی سماعات اس پر درج ہیں۔

اس میں علامہ برہان الدین، ابواسحاق ابراہیم حلبی اور علامہ ابن الملقن کے فرزند، نورالدین ابن الملقن نیز شیخ نورالدین بیچوری نے پڑھا ہے۔ یہ نسخہ ان تمام تحریروں کی وجہ سے

(۱) ان نسخوں کے تعارف کے لئے دیکھئے: مقدمہ غایۃ السؤل ص: ۴۵۔۴۸ اور ۵۴ [دار البشائر الاسلامیہ، بیروت: ۱۴۲۳ھ]

نہایت گراں بہا ہے۔

عبداللہ بحر الدین عبداللہ صاحب نے ایم اے کے لئے خصائص ابن ملقن کو موضوع بنایا اور دریافت معتبر قلمی نسخوں سے استفادہ کر کے، حواشی اور تعلیقات کے ساتھ مکمل کر دیا۔ اور عالمی اسلامی کتابوں کے مشہور ناشر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا، دار البشائر کی دوسری طباعت مطبوعہ ۱۴۲۲ھ۔۲۰۰۱ء راقم کے سامنے ہے، یہ طباعت، فہرست اور اشاریہ کے ساتھ، تین سو چھتیس [۳۳۶] صفحات پر آئی ہے۔

مختصر حالات

خاتم مثنوی مولانا روم

حضرت مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی

ولادت، طفولیت وتربیت اور ابتدائی تعلیم: حضرت مفتی الٰہی بخش ۱۱۶۲ھ۔[۴۹-۱۷۴۸ء] میں پیدا ہوئے، بچپن وطن میں گذرا، والدین کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، قرآن پاک حفظ کیا اور فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں متوسطات تک والد ماجد سے اخذ کیں۔

ایک روایت کی تردید: مفتی صاحب کے حوالہ سے ایک روایت مشہور ہے کہ انہوں نے مولانا محمد مدرس کاندھلوی سے شرف تلمذ حاصل کیا مگر یہ اطلاع قطعاً بے بنیاد ہے، کیونکہ مولانا محمد مدرس کی وفات مفتی صاحب کی پیدائش سے کم از کم چوہتر سال قبل [شوال ۱۰۸۸ھ۔ ۱۶۷۷ء میں] یا اس سے قبل ہوگئی تھی۔

اس وقت دہلی تعلیم وتعلم کے باب میں رشک بغداد بنا ہوا تھا، اس کے تخت پر خاندان ولی اللّٰہی کا پرچم لہرا رہا تھا، مفتی صاحب نے متوسطات بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا، اس وقت مفتی صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی، یہ شاہ ولی اللہ کی زندگی کے آخر ایام تھے، اس لئے مفتی صاحب کو شاہ صاحب سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا، ممکن ہے کہ تبرکاً کچھ پڑھا بھی ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں: شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیز نے، مسند درس وافادہ کو زینت بخشی۔ سب سے پہلے جو چار پانچ طالب علم شاہ صاحب کے حلقہ درس سے فیضاب ہوئے، ان میں مفتی الٰہی بخش بھی شامل تھے۔ عبدالرحیم ضیاء حیدر آبادی لکھتے ہیں:

"مگر آپ [شاہ عبدالعزیز] نے مستقل بجز چار پانچ شخصوں کے اوروں کو بہت کم پڑھایا"۔[۱]

مفتی صاحب کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے، شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں کافیہ وغیرہ سے اسباق شروع کئے تھے، کافیہ سے درس کی اعلیٰ ترین کتابوں تک، ایک ایک کتاب کی سند، مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں قلم بند کی ہے، آخر میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے جو سند عطا فرمائی تھی، اس میں صراحت ہے کہ انہوں [مفتی الٰہی بخش] نے شروع سے آخر تک، تمام کتابیں میرے روبرو عرض کیں۔

مفتی صاحب اکثر درسیات میں، شاہ رفیع الدین کے ہم سبق ورفیق تھے، اس وقت شاہ عبدالقادر نسبتاً ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، مصابیح السنہ کے اسباق میں، شاہ عبدالقادر بھی مفتی صاحب کے ہم سبق ہوگئے تھے۔ غالباً کسی وجہ سے درس کی معمول کی ترتیب میں، شاہ عبدالعزیز کی خدمت سنن ابوداؤد پڑھنے کا موقع نہ ملا تھا، اس لئے سنن ابوداؤد اپنے رفیق درس شاہ عبدالقادر سے پڑھی۔ شاہ عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں:

"وسمع المصابیح بقرأة الاخ الارشد، العالم الصالح الشیخ عبدالقادر وقرأ علیه سنن ابی داؤد"

ترجمہ: مصابیح، میرے نیک بھائی، عالم وصالح، شیخ عبدالقادر کی قرأت سے سنی اور ان [ہی] سے سنن ابوداؤد پڑھی۔

مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز کی نظر میں: شاہ صاحب نے، مفتی صاحب کی استعداد اعلیٰ درجہ کی علمی صلاحیت، اور محاسن وکمالات کا اپنی تحریر کردہ سند میں ذکر کیا ہے، حتی

(۱) مقالات طریقت یا فضائل عزیزیہ۔ عبدالرحیم ضیاء [حیدر آباد: ۱۹۹۲ھ] نیز نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی ۷/۲۶۹

کہ شاہ صاحب، مفتی صاحب کو اپنا شاگرد کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے اور اپنی مجلسوں میں مفتی صاحب کے کمال علم اور علوئے مرتبہ کا بلند الفاظ میں تذکرہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مجلس میں فرمایا:

''درشاگردان من دوکس خوب بودند، مولوی رفیع الدین ومولوی الٰہی بخش''

ترجمہ: میرے شاگردوں میں دو شخص بہت عمدہ ہوئے، مولوی [شاہ] رفیع الدین اور مولوی [مفتی] الٰہی بخش۔

اور یہ بھی شاہ صاحب کی کمال اعتماد کی دلیل ہے، کہ جب نواب ضابطہ خاں نے حضرت شاہ صاحب سے، اپنی ریاست کی سرپرستی کرنے اور مفتی اعظم کی حیثیت سے ریاست میں قائم فرمانے کی درخواست کی اور شاہ صاحب کی اور معذرت کے باوجود اصرار کرتا رہا، تو شاہ صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر وہاں بھیج دیا تھا۔

اجازت وبیعت: مفتی صاحب نے درسیات کے علاوہ، سلوک وتصوف کی متعدد اہم تصانیف اور دیگر فنون کی اہم کتابیں، شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں اور مراتب عرفان وسلوک کی علمی واقفیت کے علاوہ اصلاح باطن اور سلوک وتصوف کی، عملی تربیت بھی حاصل کی۔

مفتی صاحب نے روحانی سفر کا سلسلہ جاری رکھا اور سلوک کی راہ نوردی کرتے رہے، جو مرشد کامل ملتا اس سے ضرور فیضیاب ہوتے، اس سلسلہ نقشبندیہ کی ترتیب پر سیر سلوک کا خیال آیا، اس کی جستجو میں بھی بادیہ پیمائی کی دوران سفر، بھوپال کے اطراف میں ایک درویش سے ملاقات ہوئی، جس نے کہا کہ جب تک تم اپنے شاہ بھائی کمال الدین کاندھلوی سے بیعت نہ ہوگے اس وقت تک وہ چیز حاصل نہ ہوگی، جس کی تمہیں تلاش ہے۔

یہ مفتی صاحب کی بے نفسی اور فنا خودی تھی کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی اور شاگرد شاہ کمال الدین کاندھلوی سے اس کو حاصل کر کے مجمع البحرین یعنی خانوادہ ولی اللّٰہی اور نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلوں کے جامع بن گئے، شاہ عبدالعزیز کے اشارہ وایماء پر شاہ احمد شہید بریلوی

سے بھی باطنی استفادہ کیا، اور ایک سفر میں ان کے ساتھ بھی رہے، اور سید احمد شہید کے ملفوظات کو ''ملہمات احمدیہ'' کے نام سے جمع کئے۔

منصب افتاء پر تقرری اور مفتی کا خطاب: گذر چکا ہے کہ ضابطہ خاں کے اصرار پر شاہ عبدالعزیز نے، مفتی صاحب کو مفتی اعظم کی حیثیت سے اپنا قائم مقام بنا کر ضابطہ خاں کے یہاں بھیجا تھا، اس وقت ضابطہ خاں کی ریاست [غوث گڈھ] وقت کے نامور علماء کا مرکز تھی، اس جگہ مفتی صاحب ریاست کے باقی رہنے تک، مفتی اعظم کے منصب پر فائز رہے اسی عہدہ اور خطاب کی وجہ وہ نام کا جز بن گیا۔

درس وتدریس: مفتی صاحب زمانہ تعلیم ہی سے شاہ صاحب کے اشارہ وحکم سے، درس دیا کرتے تھے، اس وقت شاہ صاحب بہ نفس نفیس موجود رہتے اور مفتی صاحب کے طرز تعلیم اور فن سے مناسبت ومہارت کا مشاہدہ اور نگرانی فرماتے تھے، جب شاہ صاحب نے مفتی صاحب کو ہر زاویہ سے جانچ اور پرکھ لیا، تو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اب اپنا حلقہ درس قائم کریں اور دین کی رہنمائی اور فقہ وسنت کے ذریعہ مخلوق کی خدمت کریں۔

مفتی صاحب کا حلقہ درس متواتر ساٹھ سال تک جاری رہا، اس کی مجموعی طور پر کل طلبہ کی تعداد کا اندازہ لگانا تو مشکل ہے، تاہم اگر کم از کم پندرہ بیس طلبہ بھی ہر سال ہوں، تو ان کی تعداد ہزاروں سے اوپر جاتی ہے، جب کہ مفتی صاحب کی متفرق یادداشتوں اور معاصرین کی تحریر سے پتہ ملتا ہے کہ ہر زمانے میں مفتی صاحب کے یہاں شاگردوں کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی۔ نمونہ کے طور پر چند تلامذہ کے نام درج ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید محمد قلندر محدث جلال آبادی [وفات: ۱۲۶۰ھ]

(۲) حضرت مولانا مرزا حسن علی [صغیر] محدث لکھنوی [وفات: ۱۲۵۵ھ۔ ۱۸۳۹ء]

(۳) حضرت مولانا محمد حسن رام پوری [شہید بالاکوٹ، وفات: ۱۲۴۶ھ]

(۴) حضرت مولانا مغیث الدین سہارنپوری [شہید بالاکوٹ، وفات: ۱۲۴۶ھ]

(۵) حضرت مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی کاندھلوی [وفات:۱۲۹۳ھ۔۱۸۷۵ء]

(۶) مولانا وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری [وفات: تقریباً ۱۲۶۰ھ]

(۷) حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی رحمہم اللہ وغیرہ

حضرت مفتی صاحب کو شعر وادب کا خاص ذوق باری تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا، وہ شعر وسخن کے ذریعہ اصلاحی اور دینی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ مفتی صاحب نے عقیدہ کی اصلاح، ضروری دینی احکامات ومسائل اور روزہ مرہ کی زندگی کے تعلق سے، مناسب اصلاحی ہدایات اور معاشرہ کی درستگی کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کے لئے، چھوٹے چھوٹے رسائل مرتب ومنظوم فرمائے تھے، جو عامۃ المسلمین کے لئے مفید تھے، وہ گھر گھر پڑھے جاتے تھے اور ان کے سننے والے اپنی اصلاح کی فکر کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف: مفتی صاحب کی تالیفات ومصنفات کا سلسلہ ان کے عہد درس وافادہ کی طرح، کم از کم ساٹھ سال پر محیط ہے، مگر جس طرح مفتی صاحب کے تلامذہ کی کوئی جامع فہرست موجود نہیں، اسی طرح تالیفات کا بھی محقق تذکرہ دستیاب نہیں۔ مفتی صاحب کی تحریر وتالیف کا اس وقت آغاز ہوا جب مفتی صاحب، شاہ صاحب کی خدمت میں تعلیم میں مشغول تھے، جس کی ابتدا غالباً شاہ صاحب کے درس افادات کو قلم بند کرنے سے ہوئی تھی، یہ ذوق آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا، ایسا شاخ در شاخ تناور درخت بن گیا جس کی ہر شاخ علم سے معمور نظر آتی ہے۔ مفتی صاحب نے عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں متنوع موضوعات پر تصنیفات کا ایک بڑا وسیع ذخیرہ یادگار چھوڑا تھا، لیکن انقلابات زمانہ اور ناقدری سے، اس کا بھی وہی حال ہوا جو غفلت اور ایسے ذخیروں کی قدر وقیمت سے ناواقف ماحول میں ہوا کرتا ہے۔

تاہم ان کی تالیفات کا وہ سرمایہ جس تک رسائی ہو سکی اور حوادث زمانہ کے باوجود باقی رہا، ان کی کل تعداد ایک سو دس تک پہنچتی ہے، جس میں عربی اردو فارسی مصنفات شامل ہیں۔

جن میں سب سے اہم مثنوی مولانا روم کا تتمہ وتکملہ ہے۔ مولانا روم نے مثنوی کے چھٹے

دفتر کو نامکمل ہی چھوڑ دیا تھا اور فرمایا تھا میری طبیعت کی روانی اور قدرت کلام یہاں پہنچ کر ختم ہو گئی ہے، اب اس موضوع پر کسی سے گفتگو نہیں ہوگی، اگرچہ اس داستان کے باقی حصے میرے سینے میں موجود ہیں، لیکن ان کے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا، کوئی زندہ دل آئے گا جو اس کو پورا کرے گا، باقی داستان اور کہانی کو پورا کرے گا۔

اسی لئے اس وقت سے اہل ذوق، تشنہ کا مان محبت اور مسافران راہ معرفت کو، انتظار شروع ہو گیا تھا کہ دیکھئے، وہ کون زندہ دل اور صاحب کمال شخص ہوگا، جو میخانہ پیر روم کا صدر و جانشین ہوگا۔ یہ سعادت منجانب اللہ، مفتی الٰہی بخش کے لئے مقدر تھی، مفتی صاحب اس سلسلہ کی تکمیل کی اور اس قصہ کو انجام تک پہنچایا، اس مرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے کئی اہل علم وکمال نے اس کو تکمیل کرنے کی کوشش کی مگر ان میں سے کسی کو بھی، مثنوی مولانا روم جیسی پذیرائی اور انداز نصیب نہیں ہوا۔ مگر مفتی صاحب کا تکملہ مولانا روم کے اسلوب ومعیار اور اس کے رنگ وآہنگ میں ہونے کے ساتھ، معنویت میں تہ در تہ اسرار اور روانی وغنائیت میں بھی ایسا رچا بسا ہوا ہے کہ مولانا روم کی مثنوی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی مفتی صاحب کی تقریباً ایک سو دس تصانیف، شرحیں حاشیے ترجمے اور منظومات دریافت ہیں، جس میں سے عربی کی چند کتابیں یہ ہیں:

عربی تصانیف

تلخيص وحواشي تفسير مدارك التنزيل: یہ تفسیر علامہ ابوالبرکات نسفی کی شہرۂ آفاق تفسیر ہے۔

رساله تجويد القرآن: تجوید کے موضوع پر جامع اور مختصر رسالہ ہے۔

فتح الأوراد شرح حصن حصين: حصن حصین محتاج تعارف نہیں ہے، مفتی صاحب نے اس کی مفصل شرح لکھی تھی۔

وظائف النبوي خلاصه حصين حصين: مفتی صاحب نے حصن حصین کا وضائف النبوی کے نام سے خلاصہ مرتب فرمایا تھا، اس کے نسخہ کا سراغ نہیں ملا۔

حد البصائر فی عد الکبائر: حد البصائر کبائر کے موضوع پر مفتی صاحب کی ایک مفصل اہم تصنیف ہے۔

شیم الحبیب ﷺ: سیرت پاک کے دل آویز موضوع پر ایک نہایت جامع مختصر اور قیمتی کتاب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا تھا، راقم نے نسخہ مصنف کی مدد سے اس کو دوبارہ مرتب کیا ہے اور اس کا ایک نیا ترجمہ بھی کرایا ہے۔

تذکار أصحاب البدر: حضرات اہل بدر کے مبارک نام اور ان کے برکات کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ راقم نے شائع کردی ہے۔

أحوال رواۃ صحیح البخاري: اس تالیف کا مفتی صاحب نے اپنی متعدد یادداشتوں میں تذکرہ کیا ہے۔ خطی نسخہ موجود ہے مگر میری نظر سے نہیں گذرا۔

أحوال علماء حنفیة: اس کا ذریعہ معلومات بھی حضرت مفتی صاحب کی یادداشتیں ہیں۔

شرح دلائل الخیرات: اس تالیف کا مفتی صاحب نے اپنی تصنیف کی حیثیت سے کئی جگہ ذکر کیا ہے۔

شرح قصیدة بانت سعاد: قصیدہ بانت سعاد تعارف کا محتاج نہیں ہے، مفتی صاحب نے اس کی عربی میں نہایت عمدہ شرح لکھی ہے، ایک مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ نئی اشاعت کے لئے زیر تحقیق ہے۔

حاشیه مقامات حریری: حریری کی مشہور عالم کتاب پر مفتی صاحب نے مفصل حاشیہ لکھا تھا، یہ ایک اچھی شرح کے قائم مقام ہے۔

تلخیص حیوۃ الحیوان: دمیری کی حیاۃ الحیوان کا بہت جامع انتخاب ہے، جو کوٹہ کے زمانہ قیام میں مرتب ہوئی تھی۔

أمثال العرب: اس کو حیاۃ الحیوان کی تلخیص کا دوسرا حصہ کہنا چاہئے، اس میں امثال عرب کا انتخاب کیا گیا ہے۔

خطبات [بہ صنعت اہمال] یہ جمعہ کے خطبات ہیں، جو غیر منقوط الفاظ [صنعت مہملہ] میں لکھے گئے ہیں۔

شرح سلم العلوم: مفتی صاحب نے ایک عزیز شاگرد کے لئے سلم کی مفصل شرح لکھی تھی، جس میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کے افادات بطور خاص شامل ہیں۔

خلاصہ حبیب السیر فی اخبار افرادالبشر: غیاث الدین محمود کی معروف کتاب ہے، مفتی صاحب نے اس کے مضامین کا عربی میں جامع خلاصہ مرتب کیا ہے۔

فارسی تصنیفات تراجم منظومات اور کلام

اختتام مثنوی: اختتام مثنوی حضرت مفتی صاحب کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے، مثنوی مولانا روم کا تتمہ وتکملہ ہے۔

جوامع الکلم: مفتی صاحب نے ان اربعینات کو جو عربی میں تھیں، ایک مجموعہ کی صورت میں مرتب فرمایا تھا، اس مجموعہ میں پانچ چہل احادیث جمع کی گئی ہیں۔

نافع للمفتیین و الفقهاء: یہ نام راقم سطور نے مضمون کی مناسبت سے تجویز کیا ہے، اس پر صرف مجموعۂ فقہ لکھا ہوا ہے۔

محافل نبوی: سیرت پاک کے حسن ودلآویز موضوع پر، نہایت دلکش پیرایہ میں، مرتب تالیف ہے۔

بدور بدریہ: مفتی صاحب نے جملہ شرکائے بدر کے مستند ومعتبر حالات، حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے ہیں۔

ملہمات احمدیہ: یہ کتاب حقیقت میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے ارشاد وتعلیمات سلوک کی جامع اور ترجمان ہے۔

تحقیق مشرب مجدد الف ثانی بسلسلۂ وحدۃ الوجود والشہود: حضرت مجدد الف ثانی نے وحدۃ الوجود کی تردید فرما کر، وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش فرمایا تھا، مفتی صاحب نے اس رسالہ

میں اس بحث کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے، کہ مجدد الف ثانی کا نظریہ بھی محفوظ رہے اور وحدۃ الوجود کا ثبوت بھی ہو جائے۔

اردو تالیفات، ترجمے، کلام اور منظومات

منبع فیض العلوم ترجمہ منظوم، دفتر اول مثنوی مولانا روم: مفتی صاحب کی اردو کی منظوم تالیفات میں بھی، فارسی تالیفات کی طرح اولیت ترجمہ مثنوی مولانا روم کو حاصل ہے۔ فارسی میں اختتام مثنوی کا تذکرہ تھا، یہاں مثنوی کے اردو منظوم کا ترجمہ کا ذکر ہے۔

دیوان نشاط: مفتی صاحب کا فارسی مجموعہ کلام بظاہر ضائع ہو چکا ہے، یہ اردو فارسی کا مشترک مجموعۂ کلام ہے جو موجود و محفوظ ہے۔

وفات: ۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ھ۔ [۱۲ر دسمبر ۱۸۲۹ء] کا دن گذار کر، شب میں ایک دوا استعمال کی، جس کے کھاتے ہی بے ہوشی طاری ہوگئی، ایک شب و روز اسی حال میں گذرا، افاقہ کی کوئی صورت نہیں بنی، اس حال میں اتوار کی شام ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ھ۔ [۱۳ر دسمبر ۱۸۲۹ء] کو مغرب کے وقت، جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

دوشنبہ ۱۶ر جمادی الاخری ۱۲۴۵ھ۔ ۱۴ر دسمبر کو، خاندانی قبرستان میں، جو کاندھلہ کے موجودہ عیدگاہ سے ملحق ہے، اپنے بھائیوں مولانا امام الدین، شاہ کمال الدین اور والد ماجد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ

غایۃ السؤل کی تلخیصات: غایۃ السؤل کی دو تلخیصات کا بھی تذکرہ ملتا ہے، مگر ان کی اشاعت کا علم نہیں۔ غایۃ السؤل کی ایک اور تلخیص وہ ہے، جو ہندوستان کے ایک بڑے عالم اور مصنف حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے کی تھی۔

تلخیص غایۃ السؤل حضرت مفتی صاحب: حضرت مفتی صاحب راجستھان کے مشہور شہر، کوٹہ میں تھے، چند سال کی ملازمت کی وجہ سے قیام رہا تھا، جو وقت کوٹہ میں گزرا وہ مفتی صاحب کے خاص نشاط و کیف اور علمی دینی روحانی خوشیوں، بلکہ سرمستی کا تھا، کوٹہ میں مفتی

صاحب کو کئی مرتبہ زیارت مبارکہ کا شرف اور سعادت حاصل ہوئی، کئی عجیب وغریب بشارتوں سے نوازے گئے اور کئی اہم تحریریں اور تالیفات، جن کے پڑھنے والوں میں بھی ایک سرمستی اور خوشی کی نامعلوم لہر دوڑ جاتی ہے، کوٹہ میں وجود میں آئیں، اسی دور کی ایک قابل قدر دینی علمی یادگار، علامہ ابن الملقن کی تالیف، غایۃ السؤل کی تلخیص بھی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو کوٹہ میں، غایۃ السؤل کے ایک ایسے مبارک نسخہ کے پڑھنے، استفادہ کرنے کا موقع ملا، جو علامہ میر اصیل الدین محدث کے نسخہ کی نقل تھا، علامہ نے اس نسخہ کی تصحیح فرمائی تھی، اور اسی منقولہ نسخہ میں، علامہ کمال الدین عبدالحق بورانی نے، رمضان المبارک ۸۷۲ھ [مارچ اپریل ۱۴۶۷ء] پڑھایا تھا۔ مفتی صاحب نے تلخیص کے آخر میں، اس کی ان الفاظ میں وضاحت فرمائی ہے:

"من نسخة منقولة عن نسخة صححها، مير أصل الدين المحدث الواعظ، وقرأها فيها، الشيخ كمال الدين عبدالحق البوراني، في سنة اثنتين وسبعين وثمانمائة في شهر رمضان من الهجرة"

مفتی صاحب نے اس نسخہ کو بتمام وکمال پڑھا، اس سے گہرا استفادہ کیا، اس مطالعہ نے مفتی صاحب کو اس کی تلخیص پر آمادہ کیا، مفتی صاحب نے، بہت کم وقت میں اس کا ایک عمدہ اور جامع خلاصہ مرتب و مکمل فرما لیا تھا۔ مفتی صاحب نے لکھا ہے:

"قد انتخبت من غاية السؤل فی خصائص الرسول- وأنا الفقير الٰهی بخش، مع عجلة الوقت في زمان يسير ليكون لي..... على النبی ووسيلة عن جميع المصائب والآفات"

مفتی صاحب نے اس تلخیص کے آغاز پر تحریر فرمایا ہے:

الحمد للّٰہ الذی خص رسولہ بالشرف من بین الأنام، والصلوٰۃ والسلام علی الشفیع فی یوم القیام.

وبعد: فیقول الفقیر الٰھی بخش عفی عنہ، ان الشیخ العلامۃ، حجۃ العرب، سراج الملۃ والدین، أبي حفص عمر بن الشیخ الامام نورالملۃ والدین، ابی الحسن بن الشیخ شھاب الدین، ابی العباس احمد بن محمد الأنصاري، الشافعی المصری الشھیر بإبن الملقن. قد فصل خصائصہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في کتابہ، المسمی بغایۃ السؤل في خصائص الرسول [صلی اللّٰہ علیہ وسلم]

فانتخبت منہ ما راعني والتقطت منہ ما اعجبنی فأقول:

یہ تالیف مفتی صاحب کی اسی ذاتی ذوق اور پسند کی ترجمان ہے، اس میں انہیں چیزوں کو لیا ہے، جنہوں نے مفتی صاحب کو متأثر کیا، یا ان میں کوئی ندرت اور علمی پہلو سے نئی بات معلوم ہوئی۔

مفتی صاحب کی یہ تالیف اور انتخاب، مصنف کے قلم سے ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے، یہ نسخہ مفتی صاحب کی تالیفات کے ایک مجموعہ میں شامل اور مفتی صاحب کے پختہ و رواں نستعلیق قلم کی یادگار ہے۔

یہ نسخہ اکیس اوراق یا بیالیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ سترہ سے انیس تک سطور ہیں، آخری صفحہ پر اکیس سطور آئی ہیں۔ عنوانات وفصول وغیرہ کو سرخ روشنائی سے واضح کیا ہے، قلم میں یکسانیت اور خاصی روانی ہے، تمام کتاب [چند الفاظ کے علاوہ] صاف پڑھی جاسکتی ہے، کوئی مغالطہ اور پیچیدگی سامنے نہیں آتی۔

یہ تالیف اور نسخہ یقیناً اس کا مستحق ہے کہ اس پر کام ہو اور اس کو اصل مراجع سے مطابقت

کے بعد، سلیقہ سے شائع کیا جائے، بفضلہ تعالیٰ یہ کام ہو رہا ہے، مگر اس سے پہلے اس کا اردو ترجمہ تیار ہوگیا تھا، جو قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔

یہ ترجمہ میرے فرزند، عزیز، مولوی ابوالحسن ارشد کاندھلوی سلمہ اللہ نے کیا تھا، جس کو تصحیح ونظر ثانی کے بعد اشاعت کے لئے پیش کیا جا رہا ہے، مگر یہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی مرتبہ تلخیص کا لفظی ترجمہ نہیں ہے، اس میں کئی موقعوں پر ضروری ترمیم کی گئی ہے، بعض مباحث اردو کے عام قارئین کے لئے موزوں نہیں تھے، اور بعض مندرجات کی صحت واستناد میں خاصا شک ہے، ان پر تصحیح وتعلیق اور محنت کا بھی خاص فائدہ نظر نہیں آتا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان کمزور بے اصل روایتوں سے صرف نظر کرلیا جائے، حواشی وتعلیقات میں اکثر موقعوں پر، عربی کے مکمل نسخہ کے مرتب، جناب عبداللہ بحرالدین عبداللہ کے حواشی سے رجوع اور استفادہ کیا ہے، جہاں کہیں بحرالدین عباللہ صاحب کے کام پر مزید توجہ کی ضرورت محسوس ہوئی، وہاں کچھ اضافہ یا ترمیم بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اشاعت وترجمہ کے لئے حضرت ملخص مفتی الٰہی بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلمات اور یہ دعا

اللّٰھم انفعنا بما حررت، وانفع اولادي وأحفادي واحبائي. آمین!

اس کے ترجمہ کرنے والے، اس پر نظر ثانی، تصحیح اور حاشیہ لکھنے والوں اور اس کے قارئین ومستفیدین کے حق میں قبول فرمائے، اللہم آمین!

فاغفر لناشدھا واغفر لقارئھا
سالتك الخیر، یا ذي الجود والکرم!

نورالحسن راشد کاندھلوی — ۱۳ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
مولویان، کاندھلہ، ضلع شاملی — ۲۷ اکتوبر ۲۰۱۵ء

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه الّذي خصّ رسوله' بالشّرف من بين الأنام، والصّلاة والسّلام على الشّفيع في يوم القيام.

وبعد: فيقول الفقير **الٰهي بخش** عفي عنه: إنّ الشّيخ، العلاّمة، حجّة العرب، سراج الملّة والدّين، أبا حفص عمربن الشّيخ الإمام نورالملّة والدّين، أبي الحسن علي بن الشّيخ شهاب الدّين أبي العباس، أحمد بن محمد الأنصاري، الشّافعي، الشّهير بـ"ابن الملقن".

قد فصّل خصائصه –ﷺ– في كتابه المسمّى بـ**"غاية السُّول في خصائص الرَّسول"**۔ فانتخبتُ منه ماراعني، والتقطت ماأعجبني.

ترجمہ: **تمام تعریفیں، اس ذات کے لئے ہیں، جس نے اپنے رسول ﷺ کو تمام مخلوق پر، خاص فضیلت بخشی، اور صلوٰۃ وسلام ہو، ان ذات والا صفات پر، جو قیامت کے روز شفاعت کرنے والے ہیں۔**

امّا بعد! بندۂ عاجز الٰہی بخش عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ: علامہ، حجۃ العرب، سراج الملۃ والدّین، ابوحفص عمر، بن الشیخ الامام، نورالملۃ والدّین، ابوالحسن علی، بن شیخ [شہاب الدین] ابوالعباس احمد، بن محمد الانصاری الشافعی المصری نے۔ جو "ابن الملقّن" کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنی کتاب "غَايةُ السُّول في خَصَائصِ الرّسُول" میں تفصیل سے، رسول اللہ ﷺ کے خصائص کو بیان فرمایا ہے، انہیں میں سے جو مجھ کو پسند آئیں اور مجھ کو حیران کیا، ان کو میں نے الگ کرلیا، چن لیا، اور منتخب کرلیا ہے۔

حالانکہ میں یہ بھی اعتراف کرتا ہوں، کہ بعض علماء نے رسول اللہ ﷺ کے خصائص کے بارے میں کلام کرنے سے منع کیا ہے، یہی قول امام الحرمین کا "نہایہ" میں درج ہے، اور اسی کی طرف امام غزالیؒ کا میلان ہے؛ کیوں کہ نہ اس سے احکام متعلق ہیں اور نہ قیاس

واستنباط سے اس کا ثابت کرنا ممکن ہے۔ لیکن شریعت میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات وارد ہوئی ہیں، اور وہ خصوصیات، رسول اللہ ﷺ تک ہی محدود ہیں، ان خصوصیات میں، رسول اللہ ﷺ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

"ابن الصّلاح" نے اسی رائے کو پسند کیا ہے، لیکن جمہور نے رسول اللہ ﷺ کے خصائص پر کلام کرنے کی اجازت دی ہے؛ کیونکہ اس میں بھی تو علم ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ یہی فیصلہ بہتر ہے، بلکہ یہ مستحب ہے، اور اگر واجب بھی کہہ دیا جائے، تو بعید نہیں؛ اس وجہ سے کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے بعض خصائص پر، بھول کر بھی عمل نہ کرلے، مثلاً نکاح میں رسول اللہ ﷺ کو چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت تھی، جو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں شامل ہے۔

پس جان لیجئے! رسول اللہ ﷺ کو چار چیزوں یا (معاملات) میں خصوصیت دی گئی ہے:

(۱) واجبات (۲) محرّمات (۳) مُباحات (۴) فضائل۔

(۱) واجبات: اس خصوصیت کی حکمت، درجات کی زیادتی ہے، اس لئے کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے:

"لَن يَّتقَرّبَ إِلَيَّ المُتَقَرّبُونَ بِمِثْلِ أَداءِ مَاافْتَرَضْتُ عَلَيْهِمْ"(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ جو شخص ان اعمال کو [پابندی اور اہتمام سے] ادا کرتا ہے، جو میں نے ان پر فرض کئے ہیں، اس شخص جیسی قربت مجھ سے، ہرگز کوئی حاصل نہیں کرسکتا۔

(۱) یہ ایک روایت کا درمیانی فقرہ ہے، جس کو امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری، **كتاب الرقاق، ۹۳۶/۲، باب التّواضع رقم: ٦٥٠٢**. حققه جماعة من العلماء. [مكتبة الرياض الحديثة، الرياض: ١٤٠٤ھ]

امام رافعیؒ نے اس کو اپنی طرف سے نقل کیا ہے، مگر اس کی سند بیان نہیں کی، حالانکہ یہ حدیث، بخاری میں منقول ہے، یہ قسم نکاح وغیرہ سے متعلق ہے۔

اس نوع (واجبات) کی دوسری قسم میں تین مسئلے ہیں:

(۱) چاشت کی نماز (۲) قربانی (۳) وتر کی نماز۔

ہمارے فقہائے کرام نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرفوع حدیث کو، مستدل بنایا ہے:

''ثَلٰثٌ هُنَّ عَلَيَّ فَرْضٌ، وَلَكُمْ تَطوّعٌ :النَّحرُ، وَالوِتْرُ وَرَكعتَاالضُّحىٰ''(۱)

ترجمہ : تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں، تم لوگوں کے لئے نفل ہیں: قربانی کرنا، وتر کی نماز پڑھنا اور چاشت کی دو رکعت پڑھنا۔(۲)

اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں، ایسے ہی امام بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، امام دارقطنی نے لکھا ہے کہ: فجر کی دو رکعت، چاشت کی دو رکعت کا بدل ہیں۔ ابن عدی نے اس کو روایت کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ثَلٰثٌ عَلَيَّ فَرِيضَةٌ، وَلَكُم تَطوَّعٌ: الوِتْرُ، وَالضُّحىٰ وَرَكعتَاالفَجرِ''

ترجمہ : تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں، تمہارے لئے نفل ہیں: وتر کی نماز، اشراق کی نماز، اور نمازِ فجر کی دو رکعت۔

امام حاکم نے اس کو اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے، جس کا مدار ابو جناب کلبی ہیں، جن کا نام، یحییٰ بن ابی حیہ ہے، اور ابو حیہ کا نام حُيَيٌّ ہے۔ انہوں نے اس روایت کو، حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل

(۱) مسندامام احمدبن حنبل (۱/ ۲۳۱) رقم الحدیث : ۲۰۵۰. [دارالحدیث القاہرہ، ۱۴۱۶ھ]

(۲) یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث کی اصطلاح میں فرض کے علاوہ کو، مطلقاً نفل کہا جاتا ہے، خواہ سنت ہو یا واجب اور چاہے مستحب۔

کے واسطہ سے، انہوں نے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے، روایت کیا ہے۔ کہا گیا ہے، کہ ابو جناب ضعیف ہیں، مدلّس ہیں، تدلیس کرتے ہیں، اور عنعنہ بھی کرتے ہیں، اگرچہ بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن حبان کا کلام، اس بارے میں مختلف ہے، انہوں نے اس کو ثقات اور ضعفاء دونوں میں شمار کیا ہے۔

امام احمد نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کی حدیثیں منکر ہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ: پھر آپ (امام احمد) نے اس کی حدیثوں کو اپنی مسند میں کیوں لیا ہے؟ اور امام بیہقی نے کہا ہے، کہ وہ قوی نہیں ہے اور اپنی سنن میں اس کو ضعیف کہا ہے، ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس کی حدیث ثابت نہیں ہے، امام بیہقی نے اپنی ''خلافیات'' میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور جابر جعفی کی حدیث، جو عکرمہؓ کے واسطہ سے، ابن عباسؓ سے مرفوعاً منقول ہے:

''أُمِرْتُ بِرَكعَتَي الضُّحىٰ وَالوِتْرِ وَلَيسَ عَلَيكُمْ''(۱)

ترجمہ: مجھے چاشت کی دو رکعت، اور وتر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ تم پر فرض نہیں ہیں۔

اس روایت کو بزار اور امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہے، جو ضعیف ہے۔

تیسری روایت وضاح بن یحییٰ کی سند سے ہے، وضاح بن یحییٰ، مندل سے، وہ یحییٰ بن سعید سے، وہ عکرمہ سے، وہ ابن عباس سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

''ثَلٰثٌ عَلَيَّ فَرِيْضَةٌ وَّهُنّ لَكُمْ تَطوّعٌ: اَلوِتْرُ، وَرَكعتَاالفَجْرِ ورَكعَتَاالضُّحىٰ''

وضاح بن یحییٰ بھی ضعیف ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ: وضاح [کی روایت] سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ ثقات سے احادیثِ مقلوبہ روایت کرتا ہے، اس طرح

(۱) مسنداحمد بن حنبل، ۱/۲۳۱. رقم :۲۰٦٥.

جیسے وہی صحیح ہیں۔

ابن جوزی نے اپنی علل میں اس کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث، صحیح نہیں ہے، اعلام میں کہا ہے کہ: یہ حدیث ثابت نہیں ہے، پس تمام طرق سے حدیث کا ضعف معلوم ہوگیا، اس لئے تخصیص ثابت نہیں ہوگی اور یہ تخصیص کس طرح ثابت ہو جب کہ دار قطنی نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث، قتادہ کے واسطہ سے نقل کی ہے:

"أُمِرْتُ بِالوِتْرِ والضُّحٰی وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيَّ"(١)

یہ حدیث ابن شاہین نے اپنی کتاب ناسخ ومنسوخ میں روایت کی ہے، لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اس میں عبداللہ بن محرر ہیں، جو بالا جماع ضعیف ہیں۔

ابن شاہین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی پہلی والی حدیث کو، وضّاح بن یحیٰ کے واسطہ سے، اپنی کتاب ناسخ منسوخ میں ذکر کیا ہے، اور حضرت انسؓ کی حدیث: أُمِرتُ بِالْوِتْرِ والضُّحیٰ ولَمْ يَعْزِمْ عَلَيَّ کو نقل کرتے ہیں، پھر لکھتے ہیں کہ: پہلی حدیث أَقْرَبُ إِلٰى الصَّوابْ ہے، دوسری حدیث کے مقابلہ میں؛ اس لئے کہ اس میں عبداللہ بن محرر ہے، اور وہ محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، کہتے ہیں کہ: میں نہیں جانتا، دونوں میں سے کون ناسخ ہے اور کون منسوخ؟ اور رویانی نے ابن عباسؓ(٢) سے نقل کیا ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ پر قربانی اور وتر واجب نہیں" شہادت اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے، سواری پر وتر کی نماز ادا کی ہے،(٣) لیکن

(١) سنن الدارقطني ١/١٧١، كتاب الوتر [فاروقی، دهلی: ١٣١٠هـ]

(٢) حضرت مفتی صاحب کی تحریر وتالیف میں یہ عبارت اس طرح ہے: "وقد حكى الروياني عن ابن عباسؓ" جس کا ترجمہ متن میں درج ہے، لیکن اصل کتاب کے محقق نسخہ کی عبارت یہ ہے: أحسن بعض الأصحاب –في ما حكى عن أبي العباس الروياني– فقال اس سے معلوم ہوا کہ حكى الروياني عن ابن عباس" شاید سہو قلم ہے یا کاتب نسخۂ اصل کی غلطی ہے۔ [ملاحظہ ہو: غاية السول ابن الملقن تحقیق: عبداللہ بحر الدین عبداللہ مطبوعہ بیروت: ٢٠٠١م]

(٣) التلخيص الحبير، حافظ ابن حجرؒ (١١٩/٣)۔

امام نوویؒ نے "شرح مہذب" میں تحریر کیا ہے کہ: وتر رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے، آپ ﷺ کا وجوب کے ساتھ سواری پر ادا کرنا، آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، یا پھر آپ ﷺ پر وتر صرف حضر میں واجب تھا، سفر میں نہیں، اور محصول کی شرح، اور شرح تنقیح میں اس کی صراحت کی ہے۔ اور حلیمی نے شعب الایمان میں(١) اور شیخ عزالدین نے اپنے قواعد میں، اس کی صراحت کی ہے۔

امام ترمذی نے، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت بیان فرمائی ہے:

"كَانَ صَلّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ يُصلّي الضُّحىٰ حَتّٰى نَقُولَ لَايَدعُها، وَيَدعُها حَتّى نَقُولَ لا يُصلّي"(٢)

رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم کہنے لگتے، کہ اب رسول اللہ ﷺ کبھی چھوڑیں گے نہیں، پھر ترک فرما دیتے، یہاں تک کہ ہم کہنے لگتے، کہ اب آپ ﷺ کبھی نہیں پڑھیں گے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے، اور یہ حدیث، رسول اللہ ﷺ کیلئے [نماز چاشت کے] واجب نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، بلکہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ:

"مَارَأيتُ رَسُولَ اللّٰه صَلّى اللّٰه عَليهِ وَسلّم سَبَّح سُبْحَةَ الضُّحىٰ وَإنّي لَأُسَبِّحُها"(٣)

(١) المنهاج فى شعب الايمان (٣٠٢/٢) في مباحث قيام الليل. [دار الفکر، دمشق: ١٣٩٩ھ]

(٢) صحيح الترمذي في الجامع ١٠٨/١ أبواب الوتر، باب ماجاء في صلاة الضحىٰ ص: ٥٨٦/ج: ٢ وقال حسن غريب. تحقيق شيخ احمد محمدشاكر. [دار الکتب العلمیة: بیروت: بلاسنہ]

(٣) صحيح البخارى ١٥٧/١ كتاب التهجد باب من لم يصل الضحى ورآه وسعاً (٣١٥/١) رقم: ١١٧٧ [مكتبة الرياض الحديثة، الرياض: ١٤٠٤ھ] ومسلم كتاب الصلوٰة، باب إستحباب صلاة الضُّحى ٢٤٩/١ (٥٢٣/١) رقم: ٧١٨. تحقيق ابو قتيبه محمد الفاريابى. [دار طيبه، الرياض: ١٤٢٧ھ]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، حال آں کہ میں پڑھا کرتی تھی۔

اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

''مَا أَخْبَرَنا أَحدٌ انَّه رَأى النَّبِيّ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،صَلّى الضُّحىٰ غَيرَ اُمِّ هَانِي يَومَ فَتْحِ مَكَّةَ''(۱)

ہمیں خبر نہیں دی کسی نے، کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے موقعہ پر صلاۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھا ہے، سوائے ام ہانی کے۔

نیز امام بخاری نے، اپنی صحیح میں، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے رسول پاک علیہ السلام کو چاشت کی نماز صرف ایک شخص کے گھر میں ادا کرتے ہوئے [ایک بار] دیکھا جس نے اپنے گھر پر آپ کی دعوت کی تھی۔

اس لئے سلف کی ایک بڑی جماعت نے، حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت کی وجہ سے، آپ ﷺ کے لئے صلاۃ ضحیٰ کے وجوب کا انکار کیا ہے، یہی نہیں بلکہ بعض حضرات نے صلاۃ ضحیٰ کو بدعت قرار دیا ہے، لیکن امام طبری نے، اس کا استحباب نقل کیا ہے۔

چوتھا مسئلہ: یہ ہے کہ تہجد رسول اللہ ﷺ پر واجب تھی؟ قفّال فرماتے ہیں کہ: رات میں نماز پڑھنے کو تہجد کہتے ہیں، اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّد بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (۲) رسول اللہ ﷺ تہجد پڑھئے، یہ زیادتی آپ کے لئے ہے۔

یعنی یہ آپ ﷺ کے فرائض کے ثواب پر زیادتی ہوگی، لیکن غیر نبی کے حق میں، تہجد فرائض کی کمی کو پورا کرنے والی ہوگی، اور آپ ﷺ (نماز میں کسی قسم کی) کمی سے محفوظ ہیں؛

(۱) ابوداؤد (۲/۱۹۰) رقم: ۱۲۸۵۔ تحقیق، شیخ محمد عوامہ [مؤسسۃ الریان، بیروت: ۱۴۲۵ھ]

(۲) سورۂ بنی اسرائیل پارہ: ۱۵

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی جا چکی ہے، اس کو امام الحرمین اور بغوی نے نقل کیا ہے۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ: تہجد کا نافلہ ہونا (فرائض کے ثواب پر زیادتی) تو صرف نبی [ﷺ] کے لئے ہے، دوسروں کے لئے نہیں؛ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرائض کامل اور مکمل ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کے فرائض، نقصان اور کمی سے خالی نہیں، اس لئے اس کے نوافل، فرائض کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجاہد سے، اور ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں، ضحاک اور دوسرے حضرات سے یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔ نیز رافعی وغیرہ نے حضرت عائشہؓ کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے، کہ تہجد پڑھنا، رسول اللہ ﷺ کے لئے واجب تھا:

''ثَلاثٌ هُنّ عَلَيَّ فَرَائِضُ وَهُنَّ لَكُم سُنَّةٌ: اَلْوِتْرُ، وَالسِّواكُ، وَقِيامُ اللَّيْلِ''(۱)

ترجمہ: تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور یہ تمہارے لئے سنت ہیں: وتر، مسواک، اور قیام اللیل۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس کو امام بیہقی نے اپنی سنن خلافیات میں نقل کی ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن عبدالرحمان الصنعانی ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ موسی بن عبدالرحمٰن منکر الحدیث ہے، یہ حدیث علی بن جریج نے عطا سے وضع کی ہے، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات کو، ایک کتاب میں جمع کیا ہے جو (دراصل) مقاتل اور کلبی کی روایات ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ یہ موسیٰ بہت زیادہ ضعیف ہیں۔

شیخ ابوحامد نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کہتے ہیں، کہ: وتر کا وجوب، رسول اللہ ﷺ کے حق میں منسوخ ہو گیا تھا، جیسا کہ امت کے حق میں وجوب منسوخ ہے۔

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۹/۷

شیخ ابوعمرو بن الصلاح اورنووی نے روضہ میں اس کو صحیح کہا ہے، اس پر اور حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں، انھیں میں سے صحیح مسلم میں، حضرت سعد بن ہشام کی حدیث، حضرت عائشہؓ کے واسطہ سے نقل کی گئی ہے، جس میں سعد بن ہشام کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، مجھ کو حضور ﷺ کے قیام کے بارے میں بتایئے، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا آپ نے: یَـا أَیُّهَـا الـمُـزَّمّل نہیں پڑھی۔ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات میں تہجد کو فرض کیا تھا، حضور [علیہ السلام] اور صحابہؓ نے اس پر عمل کرتے ہوئے ایک سال قیام فرمایا [تہجد ادا کی] اسی سورت کی آخری آیات سے، تہجد کے وجوب کو منسوخ کر دیا گیا، اللہ نے بارہ ماہ کے بعد تخفیف کی آیات نازل فرمائیں، اور تہجد کی نماز فرض کے بعد نفل قرار پائی۔ سعد بن ہشام فرماتے ہیں، کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے بیان کی، تو انہوں نے فرمایا کہ: حضرت عائشہؓ نے سچ کہا۔ حضرت عائشہؓ نے ان آخری آیات سے یہ آیتیں مراد لی ہیں:

"عَلِم أنْ لَنْ تُحصُوه فتَابَ عَلَيكُمْ" (۱)

ترجمہ: اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے، سو تم پر معافی بھیج دی۔

ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اصل قیام منسوخ ہوا، اصل وجوب منسوخ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے: "فَـاقْرؤُوا مَاتَيَسَّرَمِنهُ" (۲) ترجمہ: اب پڑھو جتنا تم کو آسان ہو قرآن سے۔

قرأت سے مراد نماز ہے، اس لئے نماز کے بعض اجزاء کے ساتھ اس کا نام رکھ دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: "نَافِلَةَ لَّك" (۳) یہ زیادتی تیرے لئے ہے۔

(۱-۲) سورۂ مزمل، آیت: ۲۰۔

(۳) سورۂ بنی اسرائیل آیت: ۷۹۔

اس سے نفل مراد نہیں لیا جا سکتا، اس سے فرض پر زیادتی مراد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں، مغرب عشاء، ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں، اور ان دونوں فرضوں کے درمیان کوئی نفل نہیں پڑھی، پھر آرام فرمایا، یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی، اس کے بعد اس وقت نمازِ فجر ادا فرمائی جب روشنی نمودار ہوگئی۔

اس لئے یہ حدیث وتر اور تہجد کے واجب نہ ہونے پر دلیل ہے، لیکن اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے اس وقت وجوب منسوخ ہو۔

رافعی کہتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ سے مروی روایت کا مقتضا وہی ہے جو گذر چکا، یعنی وتر کی نماز کا حکم، تہجد کی نماز کے علاوہ الگ سے ہے۔ شبہ اس بات کا بھی ہے کہ وتر ہی تہجد ہو، جیسا کہ قاضی رویانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ دونوں کا اختلاف واضح ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب تذنیب میں دونوں شرحیں کی ہیں، صاحب حاوی صغیر نے بھی انہیں کا اتباع کیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہ کی حدیث صحیحین میں ہے:

"مَـا كَـانَ رَسـولُ الـلّٰـهِ صَـلَّـى الـلّٰه عَليهِ وَسَلَّم يَزِيدُ فِي رَمـضَـانَ وَلاغَيـره عَـلىٰ إحدىٰ عَشْـرَةَ ركـعةً، يُصَلّي أربَـعـاً، فَـلا تَسـئَلْ عَن حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمّ يُصَلِّي أَرْبَعاً فَلا تَسْئَلْ عَن حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاثاً". (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان وغیر رمضان میں، گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعات ادا فرماتے، بس مت پوچھو ان کے حسن کو اور ان کی طوالت کو، پھر چار رکعت ادا

(۱) صحيح البخاری باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان وغيره ۱/۱۵۴. كتاب التهجد (۱/۳۰۸) رقم: ۱۱۴۷.

فرماتے تھے،بس مت پوچھوان کے حسن کو اور ان کی طوالت کو (یعنی نہایت خشوع وخضوع اور اطمینان سے ادا فرماتے تھے) پھر تین رکعات ادا فرماتے تھے۔

یہ دلیل ہے اس بات کی، کہ تہجد ہی عین وتر ہے۔

فائدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا، رات کی نماز پڑھنے کا معمول کئی طرح سے تھا، کبھی چھ رکعات الگ، الگ سلام سے پڑھتے، پھر تین رکعات وتر ادا فرماتے۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے، اور کبھی دس رکعات فصل کے ساتھ ادا فرماتے، اور ایک رکعت وتر ادا فرماتے، یہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ ایسے ہی کبھی آٹھ رکعات دو سلام سے اور پھر پانچ رکعات مسلسل ادا فرماتے اور صرف آخری رکعت میں قعدہ میں بیٹھ جاتے، اور کبھی نو رکعات ادا فرماتے اور درمیان میں قعدہ نہ فرماتے، صرف آٹھویں رکعات میں قعدہ فرماتے اور پھر قیام کرلیتے، سلام نہیں پھیرتے تھے۔ پھر نویں رکعات پوری فرما کر سلام پھیرتے اور سلام پھیرنے کے بعد، پھر دو رکعت ادا فرماتے اور کبھی سات رکعات ایسے ہی ادا فرماتے جیسے یہ نو رکعات ادا فرمائیں۔ پھر اس کے بعد دو رکعات بیٹھ کر ادا فرماتے۔ کبھی چار رکعات دو، دو کر کے ادا فرماتے، اور پھر تین رکعات ملا کر، بغیر سلام کے وتر ادا فرماتے، اس کو حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے۔

پانچواں مسئلہ: حضور اکرم ﷺ پر، مسواک کرنا، صحیح قول کے مطابق واجب تھا، اس حدیث کی وجہ سے جو اوپر گزری جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، اس حدیث کا ضعف واضح ہے۔ ایک اور روایت امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کی ہے کہ، حضور اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا، وضو کرنے کا ہر نماز کے لئے، اس وقت آنحضرت ﷺ بے وضو ہوں، یا باوضو ہوں، لیکن جب یہ رسول اللہ ﷺ پر مشقت

کا سبب ہوا تو صرف مسواک کا حکم دے دیا گیا، بعد میں ہر اک نماز کے لئے وضو کا حکم منسوخ قرار دے دیا گیا، سوائے اس صورت کے جب وضو نہ ہو۔ حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں اس کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے، اگرچہ مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔

ہمارے فقہاء میں سے، جس نے بھی اس روایت کو لیا ہے کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لئے بھی وجوب استحبابی تھا، جیسا کہ امت کے حق میں مستحب ہے۔ دلیل اس کی حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ کو مسواک کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کردی جائے''، اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے دو واسطوں سے، دونوں کا مدار لیث پر ہے، اور لیث پر کلام کیا گیا ہے۔

چھٹا مسئلہ: لوگوں سے معاملات میں مشورہ کرنا بھی، حضور اکرم ﷺ پر واجب تھا۔ ہمارے علماء کے نزدیک صحیح قول یہی ہے، اللہ کے اس ارشاد: ''**وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**''[1] کی وجہ سے: ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دنیوی معاملات میں) ان (صحابہؓ) سے مشورہ کرلیا کریں۔

جس نے مستحب کہا ہے، اس نے غیر امر پر قیاس کیا ہے کہ صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم، استحبابی تھا، ان کے قلوب کو مانوس کرنے کے لئے۔ اس کو امام ابن قشیری نے امام شافعی سے روایت کیا ہے، یہی قول حسن بصری کا ہے، کیوں کہ انہوں نے ''**وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو صحابہ کے مشوروں کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے مشورہ اس لئے فرمایا، کہ بعد کے لوگوں کے لئے مشورہ کرنا سنت قرار پائے۔

(۱) المائدہ آیت: ۶۷

علامہ ماوردی فرماتے ہیں: پھر اس سلسلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ کس معاملہ میں مشورہ مراد ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ خاص طور پر جنگ کے متعلق اور دشمن کے مکائد سے بچنے کے لئے مشورہ کرنا۔ دوسرے بعض علماء نے کہا ہے، کہ دین اور دنیا کے معاملات میں، امت کو احکام کی علتوں اور اجتہاد کے طریقوں پر متنبہ کرنے کے لئے، مشورہ کرنا مراد ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں، کہ ان امور میں مشورہ کرنا مراد ہے، جن امور میں، اللہ کی جانب سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا، دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں: ''وَشَاوِرْهُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ'' آیا ہے۔

ساتواں مسئلہ: حضور اکرم ﷺ پر دشمن کا مقابلہ کرنا واجب تھا، چاہے ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، اور امت کے لئے ثابت قدمی، اس وقت واجب ہے، جب کہ دشمن کی تعداد، دوگنی سے زیادہ نہ ہو۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں اس خصوصیت پر باب قائم نہیں کیا ہے۔

آٹھواں مسئلہ: جس مُنکَر کو دیکھیں حضور اکرم ﷺ کے لئے، اس کا روکنا واجب تھا۔ امت کے لئے اس وقت روکنا واجب ہے، جب اس کو روکنے کی قدرت ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مامون و محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ '' وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ''[1] [اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے] غیر نبی کے لئے، کوئی وعدہ نہیں کیا گیا۔

نواں مسئلہ: حضور اکرم ﷺ پر، ہر اس مؤمن کے قرض کی ادائیگی واجب تھی، جو تنگی کی حالت میں انتقال کر گیا ہو، جیسا کہ صحیحین میں، حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ مقروض کی نماز جنازہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا، کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو، پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا، اس وقت ارشاد فرمایا کہ: جس کے ذمہ قرض ہو، اور وہ

(۱) المائدۃ: آیت: ۶۷

قرض ادا کئے بغیر مر جائے اس کی ادائیگی میرے ذمہ واجب ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے، تو اس کا مال اس کے وارثین کے لئے ہے۔ امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ قرض دار کے قرض کی ادائیگی رسول اللہ ﷺ پر واجب نہیں تھی، بلکہ رسول اللہ ﷺ میت کے اکرام اور تبرع کی خاطر ادائیگی فرمایا کرتے تھے اور اسی کو ماوردی نے اختیار کیا ہے۔ امام نووی مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ بیت المال سے ادائیگی فرمایا کرتے تھے، ایک قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خالص اپنے مال سے ادائیگی فرماتے تھے۔

دسواں مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ بھی واجب تھا کہ جب بھی کوئی پسندیدہ چیز دیکھیں، تو کہیں: ''لَبَّيْكَ! إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ'' [اے اللہ میں تیرے لئے حاضر ہوں، اصل زندگی تو آخرت کی ہی زندگی ہے] رافعی نے اس قول کو صیغۂ تمحیض '' قیل '' کے ساتھ ذکر کیا ہے، ابن القاص نے اپنی کتاب تلخیص میں اس قول کو معتمد قرار دیا ہے، امام بیہقی نے اپنی کتاب سنن میں اس کو ذکر کیا ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کلمہ خوش عیشی کے زمانہ، اور حج کے موقعہ پر، عرفات میں ارشاد فرمایا، اسی طرح تنگی کے وقت، غزوہ خندق کے موقعہ پر بھی ارشاد فرمایا۔

گیارہواں مسئلہ: رسول اللہ ﷺ پر فرض نماز کا اس طرح ادا کرنا واجب تھا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ ہو۔ یہ ماوردی اور امام شافعی کا قول ہے جیسا کہ علامہ عراقی نے شرح مہذب میں تحریر کیا ہے۔

بارہواں مسئلہ: رسول اللہ ﷺ پر، وہ نفل کام جس کو رسول اللہ ﷺ شروع فرما دیں، اس کا پورا کرنا واجب تھا۔ یہ امام بغوی نے ذکر کیا ہے۔

تیرہواں مسئلہ: ابن القاص نے اپنی تلخیص میں بہت سے امور شمار فرمائے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ پر واجب تھے، ان میں سے یہ ہے کہ: [۱] ہر بات اور کام کا بدلہ اچھائی کے ساتھ

دیں[۲] رسول اللہ ﷺ کو تن تنہا اتنا علم دیا گیا تھا، جتنا کہ تمام انسانوں کو دیا گیا ہے[۳] رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر کبھی معمولی وسوسے کا پردہ حائل ہو جاتا، تو رسول اللہ ﷺ اپنے رب کریم سے، دن میں ستر مرتبہ توبہ واستغفار فرماتے[۴] دنیاوی معاملات کی طرف بھی پوری طرح متوجہ رہ سکتے تھے اور اسی وقت احکام وحی کے بھی پابند ہوتے تھے[۵] رسول اللہ ﷺ ذات حق کے مشاہدہ، دنیا کے معاملات میں مشغولیت اور لوگوں سے ربط وملاقات کے ساتھ ساتھ بھی مشغول (اور غرق) رہتے تھے۔

واجب کی دوسری قسم نکاح سے متعلق ہے

حضور پرنور ﷺ کے لئے اپنی ازواج مطہرات کو، دنیا کی زینت اختیار کرنے آخرت کے اختیار کرنے، آپ[علیہ السلام] سے مفارقت اختیار کرنے اور دامن عصمت میں باقی رہنے کا اختیار دینا واجب تھا، جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی پر بھی واجب نہیں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی وجہ سے:

یـاأیُّھَاالنّبِيُّ قُلْ لأزْوَاجِكَ إِن كُنْتُن تُرِدْنَ الحَیٰوۃَ الدُّنْیا وَزِیْنَتھَا...... الایۃ''(۱)

ترجمہ: اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو، اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی اور یہاں کی رونق۔

ہمارے علماء میں سے حنّاطی (حاء مہملہ، نون مشددہ کے ساتھ) فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ کا ازواج مطہرات کو اختیار دینا واجب نہیں، بلکہ مندوب اور مستحب تھا۔

پھر علماء مفسرین کا، اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے، پانچ اقوال نقل کئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے، ابتداء حضرت عائشہ سے کی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب

(۱) الاحزاب آیت:۲۸

سے پہلے اختیار دیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار کیا، پھر تمام ازواج مطہراتؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو اختیار فرمایا، جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے۔

ماوردی فرماتے ہیں کہ، فاطمہ بنت ضحّاک کلابیہ نے دنیا کو اختیار کیا، آپ[علیہ السلام] ان کے ہمراہ شب گذار چکے تھے، تو حضور پاک[علیہ السلام] نے ان کو آسانی کے ساتھ الگ فرمادیا، پھر وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جانوروں کی مینگنیاں اٹھایا کرتی تھیں، کہا کرتی تھی کہ میں شقی اور بدبخت ہوں، آپ[علیہ السلام] کے نکاح میں قتیلہ بنت قیس بھی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں ان کو اختیار دینے کی وصیت فرمائی تھی، انہوں نے خلوت صحیحہ سے پہلے ہی علیحدگی کو ترجیح دی۔ انہوں نے بھی اختیار کو قبول کرلیا۔

فائدہ: کیا رسول اللہ ﷺ پر، ان ازواج مطہرات کو، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار فرمایا تھا، طلاق دینا حرام تھا؟ ماوردی نے اس بات کی قطعیت ظاہر کی ہے اور امام شافعی نے اپنی کتاب الأم میں اس کو نص سے ثابت کیا ہے، فرماتے ہیں، کہ ہاں ان ازواج مطہرات کو طلاق دینا حرام تھا، جنہوں نے آپ[علیہ السلام] کو اختیار فرمایا، جیسا کہ ان ازواج کو نکاح میں رکھنا حرام تھا، جو رسول اللہ ﷺ سے بے رغبتی ظاہر کریں، ان کے صبر کے بہترین صلہ کے طور پر، اس کا اشارہ اللہ کے ارشاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے: ﴿وَلاأَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ ......الآیۃ﴾(۱)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاق کے باب میں شارع پر پابندی کا دعویٰ کرنا قیاس سے دور معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دینے، پھر رجوع کرنے اور حضرت سودہ

(۱) الاحزاب: آیت:۵۲

کوطلاق دینے کا ارادہ کرنے سے متعلق، امام ماوردی کہتے ہیں، کہ یہ واقعات، تخییر سے پہلے کے ہیں۔ایسے ہی واقعۂ افک میں جب رسول اللہ ﷺ نے، اپنی زوجۂ محترمہ[حضرت عائشہؓ] کوعلیحدہ فرمانے کا مشورہ فرمایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا: ''لَم يُضيّق اللّٰهُ عَلَيكَ، النساءُ كَثِيْرةٌ سِوَاهَا '' [اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تنگی میں نہیں ڈالا، بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ہیں]۔

ممکن ہے کہ یہ بھی، تخییر سے پہلے کا واقعہ ہو، امام ابن جوزی نے اس کی صراحت کی ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں، خیبر کے قیدیوں میں سے، حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کو منتخب فرمایا اور ان سے نکاح فرمایا۔ ماوردی نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہؓ سے نکاح فرمانے کا واقعہ، آیت کے نزول کے بعد کا ہے۔ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ حرمت، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ ہوگئی تھی۔

''إنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزوَاجَك......الآية(۱) [ہم نے حلال رکھی، تجھ کو تیری عورتیں]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''مَامَاتَ رَسُولُ اللّٰه صَلّى اللّٰه عَلَيهِ وَسَلَّم حَتّى أَحَلَّ لَهُ النِّسَاء ''(۲)

رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی تھی، مگر یہ عورتیں، رسول اللہ ﷺ کے لئے حلال ہوگئی تھیں۔ (۳)

(۱) الاحزاب: آیت:۵۰

(۲) أخرجه أحمد رقم: ۲۵۳۴۳.۲۵۵۲۸.۲۴۰۱۹......[دارالحديث ،القاهرة ۱۴۱۶هـ] والترمذي۲/۱۵۶ أبواب التغير(۵/۳۳۲) وقال حسن صحيح رقم: ۳۲۱۶.[دارالكتب العلمية، بيروت] والحاكم (۲/۴۳۷) فى كتاب التفسير .[دارالمعرفة،بيروت]

(۳) رواه الشافعي وأحمد والترمذي وقال حسن صحيح وصححه ابن حبان والحاكم.

ہمارے علماء نے فرمایا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کو ازواج تبدیل کرنے کا اختیار تھا، مگر رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا نہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کی مخالفت کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ، حرمت کا حکم اخیر تک باقی رہا منسوخ نہیں ہوا۔

حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں، کہ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، مجھ سے نکاح نہیں فرمایا، بعد میں حضرت صفیہؓ سے نکاح فرمالیا، اور آیت مذکورہ میں من بعد تابید ہے۔یعنی ہمیشہ کے لئے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منسوخ نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

دوسری قسم: ان چیزوں کے بارے میں ہے، جو خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے حرام تھیں، یہ حرام قرار دینا، رسول اللہ ﷺ کے اکرام کی وجہ سے تھا، حرام چیزوں کا ترک کرنا، مکروہ کام کے ترک کرنے اور مستحب کے کرنے سے افضل ہے۔اس لئے کہ حرام چیز ممنوعات میں بالکل ایسی ہی ہے، جیسے مامورات میں واجب کی حیثیت ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم ان محرمات میں، جو نکاح کے علاوہ ہیں، اور اس میں چند مسائل ہیں، پہلا زکوٰۃ سے متعلق ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لئے حرام ہے، اس حرمت میں آپ ﷺ کے رشتہ بھی آپ ﷺ کی وجہ سے شریک ہیں۔

'' فَإِنَّهَا أَوسَاخُ النَّاسِ ''(۱)

رسول اللہ ﷺ اس میل سے منزہ اور پاک ہیں، پھر زکوۃ تو علی سبیل الترحم دی جاتی ہے [مالداروں سے لے کر غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے] زکوۃ لینا تو ذلت کی علامت ہے، رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ذوی القربیٰ کو، اس کے بدلے غزوات میں حاصل ہونے والا، مال غنیمت (خمس) دے دیا گیا۔

(۱)أخرجه مسلم ۱/۳۴۴، كتاب الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول اللّٰه ﷺ وعلى آله وهم بنوهاشم وبنوالمطلب دون غيرهم (۱/۴۷۷) رقم: ۱۰۷۲.

علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حکم تمام انبیاء کے لئے ہے، یا صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے؟ حسن بصری فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء اس حکم میں شریک ہیں۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ، یہ آپ [علیہ السلام] کی خصوصیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کی آل کے لئے نفلی صدقہ کے حرام ہونے کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) حرام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کے لئے نفلی صدقہ بھی حرام ہے۔

(۲) حرام نہیں ہیں۔ یعنی نفلی صدقہ حرام نہیں ہے حلال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی آل کے لئے، نبی کریم ﷺ نفلی صدقے سے، احتیاطاً منع فرمایا کرتے تھے۔

(۳) جو زیادہ صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ نفلی صدقہ آپ [علیہ السلام] کے لئے حرام تھا، رسول اللہ ﷺ کی آل کے لئے حرام نہیں۔

(۴) یہ ہے کہ خاص صدقہ حرام ہے، عام صدقہ حرام نہیں، جیسے مساجد اور کنوؤں کا پانی! ماوردی نے ایک اور قول اختیار کیا ہے کہ جو صدقہ مال متقوم ہو وہ حرام ہے اور جو مال متقوم نہ ہو وہ حلال ہے، جیسا کہ بیئر رومہ، زم زم اور مساجد کا پانی۔

فرع: ابن الصلاح نے ابوالفرج سرخسی کی امالی سے نقل کیا ہے کہ کفارہ اور نذر، ہاشمی خاندان کے افراد کو دینے میں دونوں طرح کے قول ہیں، صحیح قول یہ ہے کہ یہی حکم مطلب کی اولاد میں بھی جاری ہوگا، اس لئے کہ وہ بھی اسی ہاشمی خاندان سے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ لہسن، پیاز اور گندنا (۱) اور ہر وہ سبزی، جس میں بد بو ہو نہیں کھاتے تھے۔

اور صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے، کہ ایک مرتبہ وہ کچھ سبزی لے کر، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ کو کچھ بو محسوس ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا، جب حضور اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ فلاں، فلاں سبزی ہے، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو کھلا دو۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا، کہ صحابہ بھی اس کے کھانے کو (آپ [علیہ السلام] کی ناگواری کی وجہ سے) ناپسند کر رہے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا: کھاؤ، میں تو اس (فرشتہ) سے مناجات [سرگوشی] کرتا ہوں، جس سے تم مناجات نہیں کرتے۔

پھر کیا وہ چیزیں، رسول اللہ ﷺ کے لئے حرام تھیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں، ایک قول جس کو ماوردی نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ آپ [علیہ السلام] کے لئے بودار چیزوں کا کھانا حرام تھا، کہ فرشتوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ دوسرا قول اسی کے مشابہ ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ان اشیاء کا کھانا حرام نہیں تھا، مگر رسول اللہ ﷺ بر بنائے احتیاط نہیں کھاتے تھے۔ مسلم میں حضرت ابوایوبؓ سے مروی ہے، کہ میں نے پوچھا، کیا یہ آپ ﷺ کے لئے حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں، حرام تو نہیں ہے لیکن میں اس کی بو کی وجہ سے، اس کو ناپسند کرتا ہوں، حضرت ابوایوب انصاری نے عرض کیا، میں بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جس کو آپ [علیہ السلام] ناپسند فرمادیں۔

---

(۱) گندنا [کُرات] پیاز جیسا، ایک بدبو والا پھل ہے، جس کو سبزیوں کی طرح پکا کر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور دوا کے طور پر بھی مستعمل ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: خزینۃ الادویہ۔ حکیم نجم الغنی رام پوری۔ ص:۵۱۲ تا ۵۱۴ جلد سوم۔ [لکھنؤ:]

مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں صحیح سند سے حضرت عائشہ کی حدیث ہے، ان سے، رسول اللہ ﷺ کے، پیاز کھانے کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری کھانا تناول فرمایا، اس میں پیاز تھی۔ جب ابن صلاح نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث نقل کی، تو اس میں یہ اضافہ فرمایا کہ اس حدیث سے صرف کراہت ثابت ہوتی ہے، حرمت نہیں، اس پر مؤلف مطلب [شیخ نجم ابن الرفقہ] نے اعتراض کیا اور کہا کہ حضرت ابوایوب کی حدیث ابتداء ہجرت کی ہے، لہسن کھانے کی ممانعت خیبر کے سال میں ہوئی، جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ کو بدبودار اشیاء کے کھانے سے منع کر دیا گیا تھا، تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اس کو حرام قرار دے دیا گیا، لوگوں کی یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی، اس وقت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے لوگو! جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے میرے اور تمہارے لئے حلال قرار دیدیا، اب وہ میرے لئے حرام نہیں ہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ، میں اس چیز (لہسن پیاز وغیرہ) کی بو کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، بخاری میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ میں حضور [علیہ السلام] کی خدمت میں حاضر تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجلس مبارک میں، ایک شخص سے کہا کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت نقل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں ایسے کھاتا ہوں جیسے کہ غلام کھاتا ہے، اس لئے میں غلاموں کی طرح کھاتا اور انہی کی طرح بیٹھتا ہوں، کیونکہ میں بھی اللہ کا بندہ ہی ہوں۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے اپنی سنن اور دلائل میں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”بَلْ أُكُونُ عَبْداً نَبِيّاً“ (۱) بلکہ میں بھی اللہ کا بندہ اور نبی ہوں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، اس جملہ کے ارشاد فرمانے کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک، کبھی بھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا۔ اس روایت کی اور بھی سندیں اور طرق ہیں، جن کو میں نے رافعی کی احادیث کی تخریج میں واضح کیا ہے۔

ٹیک لگا کر کھانا، کیا رسول اللہ ﷺ کے لئے حرام تھا یا مکروہ! جیسے کہ امت کے حق میں مکروہ ہے، اس میں بھی دو قول ہیں: پہلا قول رافعی کا ہے، کہتے ہیں کہ مکروہ تھا، جیسا کہ امت کے حق میں مکروہ ہے۔ دوسری رائے تلخیص کے مصنف کی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ٹیک لگا کر کھانا حرام تھا، اس لئے کہ اس میں تکبر اور بڑائی پائی جاتی ہے۔

پہلی بات کی دلیل یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں، جو اس کی حرمت کو ثابت کرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ کا کسی چیز سے رکنا اور احتیاط فرمانا، ضروری نہیں کہ حرمت ہی کی وجہ سے ہو۔ خطّابی فرماتے ہیں، کہ متکئی (ٹیک لگانے والے) سے مراد یہاں جان بوجھ کر، مسند اور گدا لگا کر بیٹھنے والا ہے۔ امام بیہقی نے بھی اس قول کو اپنی سنن میں تحریر کیا ہے، مگر ابن جوزی نے اس کا انکار کیا ہے، کہا ہے کہ متکئی سے مراد وہ ہے، جو اپنے پہلو پر ٹیک لگا کر بیٹھے، صاحب شفاء نے بھی خطابی کے قول کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ محققین کے نزدیک، ایک جانب جھک جانے والا متکئی نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ابن دحیہ نے اپنی کتاب اَلـمُستَوفٰی فِی اسْمَاء الْمُصْطَفٰی میں تحریر کیا ہے کہ اتکاء (ٹیک لگانا) سے مراد لغت میں، کھانے پر ڈٹ جانا ہے۔

لکھنا اور شعر کہنا رسول اللہ ﷺ کی شایان شان نہیں تھا۔! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) السنن الکبریٰ (۴۹/۷) في كتاب النكاح باب ما رُوي عنه في قوله أما أنا فلا آكل متكئا[عكس نسخةٔ دائرة المعارف دار الفكر، دمشق : بلاسنه]

وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ۔ (۱) نہ لکھتے [رسول اللہ ﷺ] اپنے داہنے سے۔

نیز ارشاد ہے:

''وَمَا عَلَّمنَاه الشِّعر وَمَا يَنْبَغِي لَهُ'' (۲)

نہ ہم نے ان کو شعر گوئی سکھائی اور نہ وہ ان کے لئے مناسب ہے۔

یہ دونوں چیزیں، (لکھنا اور شعر کہنا) رسول اللہ ﷺ کے لئے حرام تھیں۔ رافعی کہتے ہیں، کہ دونوں کی حرمت کا مسئلہ اس وقت ہے، جب کہ آپ [علیہ السلام] ان کو پسند فرماویں، اور ان پر توجہ فرمائیں، پھر اس میں اختلاف ہے، کہ رسول اللہ ﷺ لکھنے اور شعر کہنے کو پسند فرمائیں اور اس میں توجہ کے ساتھ وقت صرف فرمائیں، مگر اس سے پرہیز فرماتے تھے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ [علیہ السلام] اچھی طرح لکھنا اور شعر گوئی جانتے ہی نہیں تھے۔ امام نووی نے روضہ میں تحریر کیا ہے: لایَمْتَنِعُ تَحریمُهُما وإن لَمْ يُحْسِنْهُمَا. یعنی اگرچہ آپ ان دونوں فن سے ناواقف ہوں لیکن پھر بھی یہ چیزیں آپ پر حرام ہیں، بلکہ حرمت سے مراد، ان کے علوم کو سیکھنا ہے۔ معترض نے اعتراض کیا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ اچھی طرح لکھنا جانتے تھے، جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لکھا تھا:

"هذا مَاصَالَحَ عَلَيهِ مُحَمَّد بنُ عَبدالله" (۳)

یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر صلح کی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ [علیہ السلام] نے یہ عبارت لکھنے کا حکم دیا تھا [خود نہیں لکھا تھا] لیکن ابومسعود دمشقی کی کتاب اطراف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھنا شروع فرمایا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ نے، صرف

(۱) العنکبوت آیت: ۴۸ (۲) یٰس آیت: ۶۹

(۳) صحیح البخاری ۲/ ۶۱۰ کتاب المغازي، باب عمرة القضاء، (۵/ ۱۱۶) رقم: ۴۲۵۱.

رسول اللہ ﷺ کی جگہ محمد تحریر فرمایا تھا اور یہ عبارت لکھی گئی تھی: ''یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد ﷺ نے فیصلہ کیا ہے'' ابن دحیہ نے اپنی کتاب تنویر میں اس روایت کو ان کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے '' هذه زيادة منكرة ليست في الصحيحين'' کہ یہ اضافہ قابل قبول نہیں، یہ صحیحین میں مذکور نہیں۔ عمر بن شبہ نے اپنی تصنیف کتاب الکُتّاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے، حدیبیہ کے دن اپنے دستِ مبارک سے لکھا تھا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کو لکھنے کا علم، خرق عادت کے طور پر اسی وقت دیا گیا تھا۔ یہی قول ابوذر ہروی، ابوالفتح نیشاپوری اور قاضی ابوالولید باجی کا ہے، انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ وہ کتابت سے ناواقف آدمی کی تحریر ہے، اور ایسے آدمی کا خط ہے جس کو حروف کے درمیان کوئی واضح فرق کرنا نہیں آتا ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ نے مراد کے موافق حروف تحریر فرمائے، یہ حضور اکرم ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

فائدہ: اور مجالد کی حدیث میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عون بن عبداللہ نے، اپنے والد کے واسطہ سے روایت بیان کی، کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھا بھی اور پڑھا بھی۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے، اور اس کے روایت کرنے والے غیر معروف اور ضعیف ہیں اور آپ [علیہ السلام] کا یہ ارشاد فرمانا:

هَلْ أنتِ إلا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ
وفي سبيل اللّٰه مَا لَقِيْتِ (۱)

اس کے بارے میں اخفش کہتے ہیں کہ یہ شعر نہیں ہے، نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اس کا ارادہ فرمایا، یہ تو رجز ہے۔

(۱) صحیح البخاري ۲/ ۹۰۸، کتاب الأدب، بابُ مايجوز من الشعر والرجز والحداء ومايكره منه (۸/ ۳۰) رقم: ۶۱۴۶.

فائدہ: تمام قوموں کے لکھنے کے بارہ طریقے ہیں:

(۱) عربی (۲) حمیری (۳) یونانی (۴) فارسی (۵) سریانی (۶) عبرانی

(۷) رومی (۸) قبطی (۹) بربری (۱۰) اندلسی (۱۱) ہندوستانی (۱۲) چینی۔

پانچ ان میں سے معدوم ہو چکے ہیں، اب ان کا جاننے والا کوئی نہیں ہے، (۱) حمیری (۲) یونانی (۳) قبطی (۴) بربری (۵) اندلسی۔

تین خط دنیا میں باقی ہیں مگر اسلامی دنیا میں ان کی کوئی پہچان نہیں ہے (۱) رومی (۲) ہندوستانی (۳) چینی۔

باقی چار اسلامی ممالک میں رائج ہیں، (۱) عبرانی (۲) فارسی (۳) سریانی (۴) عربی۔

سب سے پہلے عربی خط کس نے لکھا، اس میں اختلاف ہے، بعض نے کہا وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، مگر صحیح یہ ہے وہ مرامر بن مرہ انبار کا رہنے والا تھا، پھر یہ خط لوگوں کے درمیان پھیل گیا۔

پانچویں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہتھیار پہننے کے بعد، دشمن کے سامنے صف آراء ہونے سے پہلے ان کا اتارنا حرام تھا۔ امام بیہقی نے مرسل روایت نقل کی ہے:

لایَنْبَغِي لِنبيّ إذاأَخذَ لِأُمَّةِ الحرْبَ وَأذن فِي النَّاسِ بالخُروجِ إلى العَدُوِّ أَنْ يَّرجِعَ حَتّٰى يُقَاتِلَ. (۱)

جب نبی ہتھیار اٹھالے اور لوگوں میں دشمن سے مقابلہ کا اعلان کردے، تو اس کے لئے مناسب نہیں کہ دشمن سے مقابلہ کئے بغیر، واپس لوٹ جائے۔

پھر کہا کہ صحیح سند کے ساتھ موصولاً، حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے (۲) اور

(۱) السنن الكبرىٰ (۷/ ٤٠) كتاب النكاح، باب لم يكن له اذا لبس لأمته ان ينزعها حتى يلقى العدو ولو بنفسه[دار الفكر،دمشق]

(۲) التلخيص الحبير(۳/ ۱۲۹. ۱۳۰) سيرت ابن هشام (۲/ ۶۳)[مؤسسة علوم القرآن. جدة]

امام احمد نے حضرت جابرؓ سے اس کو روایت کیا ہے، (۱) امام بخاری نے بلا سند کے تذکرہ کے، صحیح بخاری **باب المشاورت** میں اس کو نقل کیا ہے۔

شیخ ابوعلی سے روایت کیا گیا کہ، ہتھیار اتارنا حضور [علیہ السلام] کے لئے مکروہ تھا، حرام نہیں، لیکن امام نے ابوعلی کے قول کو بعید از قیاس کہا ہے اور لکھا ہے کہ اگر کوئی بھی نفلی کام رسول اللہ ﷺ شروع فرمادیں، تو اس کا پورا کرنا رسول اللہ ﷺ کے ذمہ واجب تھا۔ جیسا کہ امام بغوی نے بھی کہا ہے۔

چھٹے: رسول اللہ ﷺ کے لئے لوگوں کے مال کی طرف نظر کرنا حرام تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے۔

"وَلاتَمُدَّنَّ عَيْنَيكَ إلىٰ مَامَتَّعْنَا الآية". (۲)

مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر، جو برتنے کو دیں ہم نے ان میں سے کسی کو۔

امام رافعی نے اس کو صاحب الافصاح سے نقل کیا ہے، ایسے ہی تلخیص میں ہے، اور اسی پر روضہ میں، نووی نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔

ساتویں: رسول اللہ ﷺ کے لئے، آنکھوں سے اشارہ کرنا، آنکھوں کا مٹکانا حرام تھا، اس [کی دلیل یہ ہے] کہ رسول اللہ ﷺ نے، فتح مکہ کے دن چھ لوگوں کے علاوہ، سب کو امن دیدیا تھا، ان چھ افراد میں عبداللہ بن سرح بھی تھا، جس نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر پناہ لی تھی، پھر جب حضور ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا، تو حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن سرح کو لیکر حاضر ہوئے اور ان کو حضور [علیہ السلام] کے سامنے بیعت کے لئے کھڑا کردیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بیعت فرمانے سے انکار فرمادیا، پھر وہ دوسری اور تیسری مرتبہ حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے

(۱) مسنداحمد (۳/ ۳۵۱) رقم: ۱٤۷۲۳. [دار الحديث القاهر: ۱٤۱۶هـ]

(۲) الحجر آیت: ۸۸

تینوں مرتبہ انکار فرمایا، چوتھی مرتبہ میں بیعت فرمالیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ، کیا تم لوگوں میں کوئی سمجھدار شخص نہیں تھا، جو اسے قتل کر دیتا۔ جب کہ میں نے اس کو بیعت کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لیا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ، آپ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہیں فرمادیا، رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نبی کے لئے آنکھوں سے اشارے کرنا جائز نہیں۔ اس حدیث کو، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور مسلم کی شرط پر بتلایا ہے۔

”خَائِنَةُ الأَعْيُنْ“ کے معنی، علامہ ابن الصلاح نے ”الإِيْمَاءُ بِالعَيْنِ“ آنکھ سے اشارہ کرنا بیان کیا ہے نیز کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب: ”مُسَارَقَةُ النَّظرِ“. تیزی کے ساتھ آنکھوں کا مٹکانا ہے۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ جو بات دل میں ہو، اس کے خلاف ظاہر کرنا: خَائِنَةُ الأَعْيُن ہے۔

آٹھویں: اس میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے لئے مقروض شخص کی نماز جنازہ پڑھنا حرام تھا؟ اس میں صحیح رائے یہ ہے کہ اگر مقروض شخص کا کوئی قرض ادا کرنے کی ضمانت لے لے، تو نماز پڑھنا جائز تھا (ورنہ نہیں) جب یہ حرمت منسوخ ہوگئی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہر شخص کی نماز پڑھانے لگے تھے، چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو، ایسے مقروض کے قرض کی ادائیگی، اپنے پاس سے فرماتے تھے، صحیح احادیث میں اس کی صراحت ہے۔

نویں: رسول اللہ ﷺ کے لئے حرام تھا کہ، بدلہ کی خاطر احسان کریں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو کچھ دے کر اس خیال سے احسان کریں کہ وہ مجھ کو اس سے زیادہ دے کر احسان کرے گا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:

”وَلاتَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ“(۱) اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ بہت چاہے۔

(۱) المدثر آیت: ٦

مفسرین کرام فرماتے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ رافعی نے نقل کیا ہے۔

محرمات کی دوسری قسم نکاح سے متعلق ہے
اس میں چند مباحث وعنوانات ہیں

اول: جو عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے رغبتی ظاہر کرے، آپ کے لئے اس کو نکاح میں رکھنا حرام تھا، اس کی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث ہے، جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ جون کی بیٹی، جب حضور [علیہ السلام] کے نکاح میں داخل ہوئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب ہوئے، تو اس نے کہا:

أعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ (۱)

میں پناہ چاہتی ہوں اللہ کی، آپ ﷺ سے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، تم نے بہت بڑی ذات کے واسطہ سے پناہ چاہی، جاؤ اپنے گھر والوں ہی کے پاس چلی جاؤ۔ ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ [علیہ السلام] کی ازواج مطہرات نے اس کو ایسا کرنے کے لئے کہا تھا، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ حاکم کی مستدرک میں ہے کہ اس کو سکھانے والی یا تو عائشہ یا حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔ بہر صورت اس سے یہ بات تو سمجھ میں آ گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس عورت کو نکاح میں رکھنا حرام تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ناپسند کرے، یہ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہو، کیونکہ اس میں (ایک انسان کو) تکلیف دینا ہے۔

(۱) صحيح البخاري: كتابا الطلاق، باب من طلق وهل يواجه الرجل إمرأته بالطلاق ص: ۷۹۰، ج: ۲، ۵۰۱/۲ رقم: ۵۲۵٤

اس سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ پر] تخییر کی ہدایت پر عمل واجب تھا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اس عورت کو [جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ناپسند کیا ہو] احتراماً الگ کر دیا کرتے تھے، لیکن رافعی کہتے ہیں کہ یہ نادر قول ہے۔

دوم: رسول اللہ ﷺ کے لئے اس عورت سے بھی نکاح درست نہیں تھا، جو بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَأَزْوَاجُــــهُ أُمَّهَـــاتهــم" (۱)

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات تمام مؤمنین کی مائیں ہیں۔

خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے رب کریم سے دعا کی تھی، کہ میں اپنی باندی کی کسی سے شادی نہ کروں، اور جس سے بھی میرا نکاح ہو، وہ میرے ساتھ جنت میں جائے، تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ یہ روایت حاکم نے مستدرک میں، حضرت حذیفہؓ سے نقل کی ہے (۲) اسی لئے آپ [علیہ السلام] کی ازواج مطہرات سے رسول اللہ ﷺ کے بعد نکاح کرنا حرام ہو گیا، کیونکہ وہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہیں۔

قاضی حسین نے حضرت فاطمہؓ پر حضرت عائشہؓ کی افضلیت میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا میں تم سے افضل ہوں، اس لئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا خون ہوں، اور ان [کے جسم اطہر] کا حصہ ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: دنیا میں تو معاملہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ تم کہتی ہو، لیکن آخرت میں میں فخر کروں گی، کیونکہ میں جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ کے درجے میں ہوں گی، جب کہ تم حضرت علیؓ کے

(۱) الأحزاب آیت: ٦

(۲) مستدرك حاكم (۳/ ۱۳۷) في ترجمة علی رضي الله تعالیٰ عنه، وقال صحيح الإسناد وأقره الذهبي [دار المعرفة، بیروت: بلا سنه]

ساتھ ان کے درجہ میں ہوگی۔ اب تم دیکھ لو کہ علیؓ کے درجہ اور نبی کے درجہ میں کتنا فرق ہوگا؟ جب حضرت فاطمہؓ کو کوئی جواب نہ ملا تو رونے لگیں، پھر حضرت عائشہؓ نے کھڑی ہو کر ان کی پیشانی کو چوم کر کہا: کاش میں تمہارے سر کا ایک بال ہوتی [بال کے برابر ہوتی] تب وہ خاموش ہوئیں۔

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ جنت کفار پر حرام ہے اور اس [عورت] نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کو ناگوار سمجھا، جب کہ آپ مشرف و معظم ہیں کہ اپنے مبارک پانی کو کسی کافرہ کے رحم میں ضائع کریں۔ اللہ نے حضور [علیہ السلام] کے لئے عورتوں کی اباحت میں ہجرت کی شرط لگائی ہے۔ فرمان باری ہے :

"اَلّٰتِیْ هَاجرنَ مَعَك" (۱) جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، غیر مہاجرہ سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا، تو جو عورت مہاجرہ نہ ہو، اور اس نے اسلام بھی قبول نہ کیا ہو، وہ تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی، مگر ہمارے علماء میں سے ابو اسحاق نے اس قول کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ کتابیہ سے نکاح آپ ﷺ کے لئے حرام نہیں تھا، جیسا کہ امت کے لئے حرام نہیں، اور نکاح کے معاملہ میں، رسول اللہ ﷺ کے لئے امت سے زیادہ وسعت ہے، آزاد کتابیہ، امت کے لئے حلال ہے، تو رسول اللہ ﷺ کے لئے بدرجہ اولیٰ حلال ہوگی اور کہتے ہیں کہ اگر آپ [علیہ السلام] کسی کتابیہ سے نکاح فرما لیتے، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اسلام قبول کر لیتی، اور حاوی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے، ملک یمین کی بنا پر اپنی یہودی باندی، ریحانہ بنت عمرو سے استمتاع کیا، جبکہ وہ قریظہ کے قیدیوں میں تھیں، حالانکہ آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی تھی، مگر اس نے انکار کر دیا تھا، لیکن بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ یہ کتابیہ باندی کو اختیار کرنے کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

(۱) الأحزاب آیت: ۵

سوم: قیدی کتابیہ باندی کے بارے میں بھی وہی اختلاف ہے، جو ابھی ذکر کیا گیا۔ صحیح قول یہاں بھی جائز کا ہی ہے، جیسا کہ رافعی نے کبیر میں لکھا ہے، اسی قول کو شیخ ابو حامد نے اختیار کیا ہے، ریحانہ کا واقعہ اس کی تائید کرتا ہے۔

چہارم: ہمارے علماء نے مسلمان باندی سے نکاح جائز ہونے میں، اختلاف کیا ہے۔ ایک قول حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے، مسلمان باندی سے نکاح حرام نہیں، حلال تھا، جیسا کہ عام امتی کے لئے حلال ہے، اس لئے مسلمان باندی سے نکاح کرنا مشروط ہے، زنا کاری کے خوف سے اور رسول اللہ ﷺ بدکاری سے قطعاً محفوظ تھے، اور ہجرت کے معیار ہونے کی وجہ سے، رسول اللہ ﷺ کا نکاح محتاج مہر نہیں، نہ ابتدا میں، نہ انتہا میں، اور نہ اس باندی سے پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوگی، آپ [علیہ السلام] کا منصب ومقام، اس سے کہیں بالاتر ہے۔ ماوردی نے دعویٰ کیا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، رافعی کہتے ہیں کہ جس نے جائز کہا ہے، اس نے امت کے حق میں (بدکاری) کی شرط لگائی ہے، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہجرت کے طویل ہونے کی جو شرط ہے، اس میں شبہ ہے۔

خصوصیات کی تیسری قسم مباحات سے متعلق ہے

آپ ﷺ کے لئے تخفیفات بہت تھیں، کیوں کہ جو چیزیں رسول اللہ ﷺ کے لئے مباح کر دی گئیں، ان کی وجہ سے، رسول اللہ ﷺ عبادت سے غافل نہیں ہوتے تھے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک نکاح سے متعلق، دوسری اس کے علاوہ امور سے متعلق ہے۔

جان لیجئے! کہ بہت سے مباح کاموں پر آپ ﷺ نے عمل نہیں کیا، یہاں مباح سے وہ عمل مراد نہیں، جس کے دونوں پہلو برابر ہوں، بلکہ وہ کام مراد ہے، جس کے کرنے یا نہ کرنے میں کوئی حرج نہ ہو، عنقریب آئے گا، کہ امام شافعی نے فرمایا، کہ مباح پر عمل کرنا، آپ [علیہ السلام] کے لئے وسیلۂ تقرب تھا۔ ایسے ہی مال غنیمت میں سے کسی چیز کا اپنے لئے منتخب کر لینا، یا مال

خمس کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھنا، لینا، ایسے ہی خمس سے تبدیل کرنا، جیسا کہ عنقریب آئے گا، کبھی خمس کو اہم ضرورتوں میں خرچ کرنا اہم تھا، تو کبھی اس کے مواقع نہ ہونے کی بنا پر اس کو چھوڑنا بہتر تھا۔ مکہ میں کبھی بغیر احرام کے داخل ہونا افضل ہے، تو کبھی احرام کے ساتھ، اسی طرح چار سے زائد نکاح کرنا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے افعال واقوال افضل ہی افضل ہیں اور سب پر ثواب بھی ہے، جیسا کہ ہمارا اعتقاد ہے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ کا کھانا پینا بھی باعث ثواب ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس سے اللہ تعالی کی رضا کا ارادہ کرے، اور یہ آپ کے شایان شان ہے۔

ان مباحات میں ہے، جو آپ [علیہ السلام] کے لئے، نکاح کے علاوہ تھے ان میں بھی چند مباحث ہیں

اول: پہلا امتیاز وصال کا ہے۔ صوم وصال، مسلسل روزے رکھنا رسول اللہ ﷺ کے لئے مباح تھا۔ قضاعی کہتے ہیں کہ آپ [علیہ السلام] کے علاوہ، دوسرے انبیاء کے لئے مباح نہیں تھا، امت کے لئے مسلسل روزے رکھنے [صوم وصال] کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ مسلسل روزے رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اِنّی لَستُ مِثلَکُم اُطْعَمُ واُسقٰی''(۱)

میں تم جیسا نہیں ہوں، مجھے تو (اپنے رب کریم کی جانب سے) کھلایا، پلایا جاتا ہے۔

اس روایت کی صحت پر اتفاق ہے، جیسا کہ امام شافعی اور جمہور نے کہا ہے کہ یہ صوم وصال

(۱) صحيح البخاري ۲/ ۱۰۸۴ كتاب الاعتصام، باب مايكره من التعمق والتنازع والغلو في الدين والبدع (۷۹/۹) رقم: ۷۲۹۹

آپ [علیہ السلام] کے لئے مباح تھا، امام شافعیؒ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے لئے صوم وصال، قربت وعبادت تھا۔

ابن حبان کہتے ہیں اس میں دلیل ہے، کہ وہ احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ کے بطن مبارک پر پتھر باندھنے کا ذکر ہے، سب کی سب باطل ہیں۔ اس حدیث کے معنی تو حجر، یعنی روکنے کے ہیں اور وہ کمر بند کا کنارہ ہے، اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو کھلاتا پلاتا تھا، اگر آپ [علیہ السلام] مسلسل روزے رکھتے، تو بغیر صوم وصال کے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھوکا کیسے چھوڑ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو پتھر باندھنے کی ضرورت پیش آتی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات ابن حبان نے حضرت ابن عباسؓ سے اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے۔

بعض صلحاء کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ صوم وصال رکھتے تھے، یہ اتفاقی بات ہے، بلا ارادہ کے، یا پھر وہ لوگ معارف اور مشاہدہ میں مشغول رہتے تھے، ممانعت امت کے حق میں مجموعی اعتبار سے ہے، کسی ایک فرد کے لئے نہیں، کیونکہ یہ خصوصیت تمام لوگوں کے لئے ہے۔

دوم: مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے، اس میں سے کچھ اپنے لئے، باندی وغیرہ منتخب فرمالینا، (اس کو صفی کہا جاتا ہے) اس کی مثال، حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو منتخب کر کے آزاد کیا اور پھر نکاح فرمایا۔ جیسا کہ بخاری ومسلم نے حضرت انسؓ اور ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، (١) اہل سِیَر کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت صفیہؓ صفی میں سے ہیں۔ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ صفی آپ [علیہ السلام] کی خصوصیات میں سے ہے، قرطبی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ مال صفی پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ائمۂ مسلمین کا حق ہے۔

(١) صحیح البخاری ٢/ ٧٦١ کتاب النکاح باب من جعل عتق الأمة صداقها، (٧/٧) رقم: ٥٠٨٦. مسلم ١/ ٤٥٩ کتاب النکاح باب فضل اعتاقه أمته ثم يتزوجها (١/ ٦٤٥) رقم: ١٣٦٥.

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صفیہؓ حضرت دحیہ کلبی کے پاس تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے سات (غلاموں) کے بدلے میں خریدا تھا، لیکن اس میں وہی تاویل کرنی پڑے گی، جو اہل سیر نے کی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ کو خریدنا حقیقتاً نہیں تھا۔

رافعی نے ذکر کیا ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بھی، مال صفی میں سے تھی۔ امام احمد، طبرانی، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ بدر کے موقعہ پر بطور غنیمت کے حاصل ہوئی تھی۔ ترمذی نے کہا یہ روایت حسن غریب ہے، حاکم نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ (١)

طبرانی نے معجم کبیر میں ضعیف سند کے ساتھ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجاج بن علاط نے ہدیہ کی تھی۔

امام خطابی نے صراحت کی ہے کہ فقار فا کے زبر کے ساتھ ہے مگر عام لوگ فاء کے زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ فقار کے معنی ہیں پیٹھ کی ہڈی، اس کا مفرد فقارۃ آتا ہے، فاء کے زبر کے ساتھ۔

پہلے یہ تلوار عاص بن منبہ کے پاس تھی، جب وہ قتل کر دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے لے لیا اور حضرت علیؓ کو ہدیہ کر دیا، پھر وہ ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔

اصمعی نے وہ تلوار ہارون رشید کے پاس دیکھی تھی، ہارون رشید اس کو اپنے بدن پر سجائے ہوئے تھا، اس میں اٹھارہ دندانے تھے۔

چوتھے: (٢) مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا، اس کو صاحب تلخیص نے نقل کیا ہے اور

(١) مستدرك حاكم (٢/ ١٢٩) كتاب قسم الفيء [دار المعرفة، بيروت]

(٢) حضرت مفتی صاحب کی تلخیص میں اسی طرح ہے، اس میں تیسری بحث چھوٹ گئی ہے، یہ بحث اصل کتاب کے مطبوعہ نسخہ میں ص: ١٦٤ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ، دوسرے شخص کے لئے بغیر عذر کے، بلا احرام مکہ داخل ہونے میں اختلاف ہے، اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہے، جس کی تخریج مسلم نے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے داخل ہوئے اور آپ کالا عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ قُضاعی نے **عیون المعارف** میں مکہ کے بجائے حرم کے الفاظ بیان کئے ہیں، یہاں یہی مراد ہے، مزید لکھا ہے کہ یہ آپ [علیہ السلام] کے ساتھ خاص تھا، دوسرے انبیاء کے لئے نہیں تھا۔ ابن رفعہ نے کفایہ میں لکھا ہے کہ کوئی شخص اگر ایام حج، یا غیر ایام حج میں مکہ میں باغی سے لڑائی کے لئے، یا ڈاکو اور چور سے مقابلہ کے لئے، یا ظالم کے خوف سے داخل ہو تو اس کے لئے احرام لازم نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن، اس حال میں داخل ہوئے، کہ رسول اللہ ﷺ کے سر پر خود تھا، اگر رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں ہوتے تو خود نہ پہنتے، رسول اللہ ﷺ کو خدشہ تھا کہ کہیں کفار مکہ غداری نہ کریں، اور اس بات کا بھی خوف تھا کہ وہ مسلمانوں اور ابوسفیان کے درمیان ہونے والی صلح کو، کہیں رد نہ کردیں۔

لیکن اس میں شبہ ہے، اس لئے کہ خائف مُحرِم کے لئے کپڑے پہننا بلاشبہ جائز ہے، پھر ابن رفعہ کا ترک احرام کی علت بیان کرنا اور خوف کی وجہ سے کپڑے پہننے کو جائز کہنا، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے۔

"وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (۱)   اور اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے۔

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے چوکیداری ختم فرمادی تھی۔

پانچویں: حرم کے اندر قتل کرنا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن خطل کو قتل کیا تھا، جب وہ کعبہ کے پردہ سے چمٹا ہوا تھا، جیسا کہ ابن القاص کی تلخیص میں ہے، اور انہی کا اتباع

(۱) المائدہ آیت: ٦٧

قضاعی نے کیا ہے، اور کہا ہے، کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ حرم شریف نافرمان کو، قاتل کو، اور جزیہ سے بچ کر بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔

چھٹے: رسول اللہ ﷺ کا مال، آپ ﷺ کے بعد وراثت میں تقسیم نہیں ہوگا، اس حدیث کی وجہ سے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَاتَرَكْنَاهُ صَدَقَة" (۱)   جو کچھ ہم چھوڑیں، وہ صدقہ ہوتا ہے"

اسی قول پر ابوالعباس رویانی نے قطعیت ظاہر کی ہے اور رافعی نے صغیر میں لکھا ہے کہ، یہی قول مشہور ہے۔ پھر کیا وہ مال رسول اللہ ﷺ کے ورثاء کے لئے وقف ہوگا، اس میں بھی دو رائے ہیں:

امام شافعی کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ وہ مال وفات کے بعد بھی، رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہی میں رہے گا، اور آپ [علیہ السلام] کی آل واولاد پر خرچ کیا جائے گا، جیسا کہ حیات طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے اہل وعیال پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اس کی علت امام شافعی نے یہ بیان کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام (اپنی قبور مبارکہ میں) زندہ ہیں، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے مال کو، رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں اور خدمت گذاروں پر ہی خرچ فرمایا کرتے تھے، اور ان امور میں خرچ کیا کرتے تھے، جن امور میں آپ [علیہ السلام] اپنی پاک زندگی میں خرچ فرمایا کرتے تھے، لیکن امام نووی نے روضہ میں اس قول کو ضعیف کہا ہے، اور لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ اس مال پر آپ [علیہ السلام] کی ملکیت وفات کے بعد ختم ہوگئی، آپ [علیہ السلام] کا مال تمام مسلمانوں کے لئے صدقہ قرار پائے گا، اس میں ورثاء کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، اس کے علاوہ دوسرا کوئی قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے، جبکہ اس مال پر ملکیت ختم ہونے پر، نص اور احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ پھر یہ بات بھی جاننے کی ہے، کہ

(۱) صحيح البخاري ٦٠٩/٢ كتاب المغازي باب غزوة خيبر، رقم الحديث: ٤٢٤١ (٧٦/٥)

یہ بات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس میں شریک ہیں۔
جیسے کہ حضرت زبیرؓ وغیرہ کی احادیث، نسائی کی سنن کبریٰ میں موجود ہیں:

" اِنَّا مَعْشَرَ الأَنْبِيَاء لانُورِثُ مَاتَركنَاهُ فَهُو صَدَقَة. "(۱)

ہم انبیاء [علیہم السلام] کی جماعت وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

بلا شبہ اس کے ذریعہ سے نبی اپنی امت سے ممتاز ہوتا ہے۔

ساتویں: حضور ﷺ اپنے علم کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسروں کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس کی دلیل حضرت ہندؓ کا وہ قصہ ہے جو صحیحین میں مذکور ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، اس کے مال میں سے، جتنا اپنے لئے اور اولاد کے لئے مناسب ہو لے لو، یہ فیصلہ ہے، فتویٰ نہیں۔ اس حدیث میں اضطراب ہے، جس کی میں [علامہ ابن الملقن] نے عمدہ کی شرح میں، وضاحت کی ہے۔

آٹھویں: صحیح قول کے مطابق، نبی کریم ﷺ کو اختیار تھا کہ اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں فیصلہ کر دیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تمام گناہوں سے محفوظ تھے۔ اوروں کے لئے اپنی اولاد کے فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں تفصیل ہے، ماوردی نے یہ رائے نقل کی ہے اور اس کے ساتھ ایک صورت اور ذکر کی ہے کہ یہ (فیصلہ) اقرار کی بنیاد پر جائز ہے، بینہ یعنی ثبوت و گواہ کی بنیاد پر نہیں، گواہ کو عادل قرار دینے کے سلسلے میں تسامح کی تہمت کی وجہ سے۔ قضاعی نے اس خصوصیت اور اس کے بعد آنے والی خصوصیت کو، ان خصائص میں سے قرار دیا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں، اور انبیاء علیہم السلام اس میں شامل نہیں۔

(۱) السنن الكبرىٰ ۱۱۱/۷، كتاب الفرائض، باب مواريث الأنبياء وزارة الاوقاف والشؤن الإسلامية دولة قطر، ۱۴۳۳ھ۔ ۲۰۱۲ء

فرع: حضور اکرم ﷺ کے لئے، غصہ کی حالت میں بھی فتویٰ دینا، یا کسی کو فیصلہ صادر کرنا مکروہ نہیں تھا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے غصہ میں، غلط فیصلہ یا غلط فتویٰ صادر کرنے کا خوف نہیں تھا، اس کا خوف تو غیر رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے، یہ بات امام نووی نے شرح مسلم "کتاب اللقطة" میں لکھی ہے۔

نویں: آپ [علیہ السلام] ہر اس شخص کی گواہی قبول فرما لیتے تھے، جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے گواہی دیدے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ کی گواہی ان کے حق میں قبول فرمائی، جن کا قصہ ابوداؤد اور حاکم میں مذکور ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر ابن حزم نے اس سے اختلاف کیا، لیکن صاحب مطلب نے دعویٰ کیا ہے کہ یہی قول صحیح اور مشہور ہے۔

دسویں: آپ ﷺ اپنی ذات کی حفاظت کریں، اگر چہ یہ آپ ﷺ نے کبھی نہیں کیا، اگر کبھی کرتے تو مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر ہوتا، مگر یہ خصوصیت آپ ﷺ کے بعد کسی امام [خلیفۃ المسلمین] یا دوسروں کو حاصل نہیں کہ وہ اپنی جانوں کی حفاظت کریں، جیسا کہ فقہ کے مباحث میں، اپنی اپنی جگہوں پر درج ہے۔

اس خصوصیت کو بھی، قضاعی نے ان خصوصیات میں ذکر کیا ہے، جو آپ [علیہ السلام] سے قبل دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دی گئیں۔

فرع: آپ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے جو چیزیں اور حقوق محفوظ کر دیئے ہیں وہ کسی حال میں بھی ختم نہیں ہو سکتے، کیونکہ اس کی حیثیت نص شرعی کی ہے، اور اگر اس کی ضرورت باقی نہ رہے تو دونوں صورتیں جائز ہیں، صحیح ترین قول کے مطابق یہ حقوق ختم نہیں کئے جا سکتے کیونکہ اس صورت میں ایک قطعی الثبوت حکم میں اپنے اجتہاد سے تبدیلی لازم آئے گی جو درست نہیں۔

گیارہویں: رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز تھا، کہ ضرورت کے وقت کھانے پینے کا سامان اس کے مالک سے لے لیں، چاہے وہ خود بھی ضرورت مند ہو، اور اس کے لئے یہ

بھی ضروری تھا کہ وہ، رسول اللہ ﷺ پر خرچ کرے، رسول اللہ ﷺ کو کھلائے، اور اپنی ذات کو رسول اللہ ﷺ کی محبت پر فدا کرے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

"النَّبِيُّ أَولىٰ بِالْمُؤمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ"(۱)

نبی زیادہ مقدم ہیں مؤمنین کے لئے ان کی جانوں سے۔

اور اسی جیسا مسئلہ فورانی، ابراہیم اور مروزی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

اگر کوئی ظالم آپ [علیہ السلام] پر حملہ کرتا (نعوذ باللہ) تو جو بھی وہاں موجود ہو، اس کے لئے حضور [علیہ السلام] کو بچانے کی خاطر اپنی جان قربان کر دینا واجب تھا، جیسا کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے احد کے دن، آپ [علیہ السلام] کی حفاظت کے لئے، اپنی جان کی بازی لگا دی تھی، اس کو قضاعی نے ان خصوصیات میں شمار فرمایا ہے، جو صرف آپ [علیہ السلام] کے لئے ہیں، دوسرے انبیاء کے لئے نہیں تھیں۔

بارہویں: رسول اللہ ﷺ کی امت کے لئے واجب ہے کہ: وہ اپنے نبی کریم ﷺ سے انتہا درجہ کی محبت کریں، جیسا کہ بخاری میں وارد ہوا ہے:

"لايُؤمِنُ أحدُكُم حَتّٰى أكُونَ أَحَبَّ إِليهِ مِن وَالِدِهِ وَولدِهِ وَالنَّاسِ أجْمَعِين". (۲)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اس کے لئے، اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

محبت کے اسباب میں تعظیم و تکریم اور صفات معنوی میں، کمال و شفقت بھی شامل ہے، یہ تمام صفات آپ کی ذات اقدس میں کامل درجہ پائی جاتی تھیں، اس لئے آپ ﷺ

(۱) الأحزاب آیت: ۷۰

(۲) صحيح البخاري ۷/۱، كتاب الإيمان، باب حبّ الرسول ﷺ من الإيمان (۹/۱) رقم: ۱۵.

سے کامل درجہ کی محبت کرنا بھی واجب ہے۔ قاضی حسین کہتے ہیں کہ آدمی کو آپ ﷺ کی وفات پر، اس سے زیادہ افسوس اور غم ہونا چاہئے، جتنا اس کو اپنے والدین کی دنیا سے رخصت پر ہوتا ہے اسی طرح اس کو، رسول اللہ ﷺ سے اپنی جان مال گھر والوں سے زیادہ محبت، آپ ﷺ سے کرنا واجب ہے۔

تیرہویں: آپ ﷺ کا وضو مبارک سونے سے نہیں ٹوٹتا تھا، حضور [علیہ السلام] کے علاوہ، دوسرے شخص کا وضو سونے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ:

تَنَامُ عَينَاه ولاينَام قَلبُه. (۱)

کہ آپ [ﷺ] کی آنکھیں سوتی تھیں دل نہیں سوتا تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ قضاعی نے اس کو بھی آپ [ﷺ] کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، یہ دوسرے انبیاء کے لئے نہیں ہے، لیکن صحیح بخاری میں معراج کے واقعہ میں، حضرت انسؓ سے روایت ہے:

"وَكَذٰلِكَ الأنْبِياءُ تَنَامُ أَعينُهُم وَلاتَنامُ قُلُوبُهُم"

ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں، ان کے دل نہیں سوتے۔

چودہویں: عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹنے کے متعلق ہے، اس میں بھی دو قول ہیں۔ امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسی پر یقین ظاہر کیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں، کہ نسائی کبیر میں حضرت عائشہؓ کی حدیث قاسم کے واسطہ سے مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آڑی لیٹی رہتی تھی، جیسا جنازہ (امام کے سامنے) ہوتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ وتر کا ارادہ فرماتے، تو مجھے اپنے پیر سے چھو دیا کرتے تھے، اس روایت کی سند صحیح اور بہت اہم ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مسند بزار میں عبد الحکیم جزری کی

(۱) صحيح البخاري ۱۵٤/۱، كتاب التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره. (۴۷/۲)

حدیث عطاء کے واسطے سے، حضرت عائشہؓ سے منقول ہے:

''انَّ رَسُولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلیهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُقبِّلُ بَعضَ نِسَائهِ، ثُمَّ یَخرُجُ اِلَی الصَّلوٰۃ وَلایَتَوَضَّأُ''۔(۱)

رسول اللہ ﷺ اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیا کرتے تھے، پھر نماز کے لئے (مسجد) چلے جاتے تھے، وضو نہیں فرماتے تھے۔

پندرہویں: جنابت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا، رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز تھا۔ یہ صاحب تلخیص نے ذکر کیا ہے، اس میں ایک حدیث ہے، ابوسعید کے واسطہ سے، جس کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔

''یَاعَلی لایَحِلُّ لأحد یجنب فِي هَذا المَسْجِدِ غَیرِيْ وَغَیْرُكَ'' (۲)

اے علی میرے اور تمہارے علاوہ، کسی شخص کے لئے اس مسجد میں جنابت کی حالت میں آنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے حسن ہونے میں شبہ ہے، اس لئے کہ اس کی اسناد میں سالم بن ابی حفصہ اور عطیہ العوفی ہیں اور یہ دونوں بہت زیادہ ضعیف ہیں، ان پر شیعیت کی تہمت بھی لگائی گئی ہے۔ اس کو بزار نے سعد بن وقاص کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت علیؓ اس خصوصیت میں حضور [ﷺ] کے شریک ہیں۔ مگر علماء میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔

ترمذی نے حدیث کے بعد لکھا کہ یہ حدیث ضرار بن مروان کے واسطہ سے ہے۔

(۱) مسند بزار

(۲) سنن الترمذي ۲/۲۱٤ أبواب المناقب، باب مناقب علي رضى الله عنه (۵/۵۹۸) رقم: ۳۷۲۷. [دارالکتب العلمیة: بیروت بلاسنه]

حدیث کے معنی یہ ہیں کہ، جنابت کی حالت میں مسجد سے گذرنا میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس تفسیر پر اعتراض ہے اس لئے کہ یہ حکم آپ [ﷺ] کی امت کو بھی شامل ہے، مگر قفال اور صاحب تلخیص نے اس بات سے انکار کیا ہے، بلکہ کہا ہے کہ میرے خیال میں یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ قضاعی نے اس خصوصیت کو ذکر کیا ہے، مگر انہوں نے مسجد میں داخل ہونے کے بجائے، مسجد میں ٹھہرنے کا ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ آپ [ﷺ] کے لئے، جنابت کی حالت میں مسجد میں ٹھہرے رہنا بھی جائز تھا۔

سولہویں: ابن القاص کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے، بغیر کسی سبب کے لعنت کرنا جائز تھا، اس لئے کہ آپ [علیہ السلام] کا لعنت فرمانا بھی رحمت کا سبب ہے مگر ائمہ نے اس قول کو بعید کہا ہے، لیکن صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ، آپ [ﷺ] نے ارشاد فرمایا:

''اللّٰهُمَّ إِنِّیْ إتَّخَذْتُ عِندَكَ عَهْداً لَن تُخْلِفَنیه، فإنَّمَا أَنَا بَشرٌ فَأَیُّ المُؤمِنِینَ آذیتُهُ اَوْلَعنتُهُ أوشَتَمْتُه فَاجْعَلْها لَه زکوۃً وَصلاۃً وَقُربةً تُقرِبُهُ بِهَا اِلَیكَ یَوم القِیَامَةِ''۔ (۱)

اے اللہ میں آپ سے وعدہ لیتا ہوں، کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے، اس لئے کہ میں ایک انسان ہوں، جس کو بھی میں تکلیف دوں، مسلمانوں میں سے، یا اس پر لعنت کروں، یا برا بھلا کہوں، تو آپ میرے اس کہنے کو اس شخص کے لئے اجر و ثواب بنا دیجئے، اور قیامت کے دن، اس کے ذریعہ اس کو اپنا قرب عطا فرما دیجئے۔

(۱) صحیح البخاري ۲/۹٤۱، کتاب الدعوات، باب قول النبي ﷺ من آذیته فاجعله له زکوة ورحمةً (۸/٦۵) رقم: ٦۳٦۱.

رافعی کہتے ہیں کہ یہ بات حدود [شرعی سزاؤں] کو کفارہ قرار دئے جانے کے قریب قریب ہے۔

علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے متعلق ہے، جیسا کہ حدیث بالا اشارہ کررہی ہے، کفار ومنافقین کے حق میں لعنت ہے، مطلب یہ ہے کہ [یہ دعا اور لعنت] ان کے حق میں رحمت نہ ہوگی۔ قضاعی نے اس کو آپ [ﷺ] کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہے۔

سترہویں: ابن القاص کہتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ کے لئے امان دینے کے بعد بھی قتل کردینا جائز تھا۔ رافعی کہتے ہیں کہ ابن القاص نے اس میں غلطی کی ہے، اس لئے کہ جس شخص کے لئے آنکھوں سے اشارہ کرنا جائز نہ ہو، اس کے لئے امان کو توڑنا کیسے جائز ہوگا۔ ابن خطل کا قصہ اور آپ [ﷺ] کا اس کو قتل کرنے کا حکم دینا، باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوگیا وہ امان میں ہے، اس لئے ہے کہ آپ ﷺ نے چار لوگوں کو امان کے اعلان سے الگ کردیا تھا، ابن خطل انہیں چار لوگوں میں شامل تھا۔

دوسری قسم ان تخفیفات کی ہے جو نکاح سے متعلق ہیں، اس میں بھی چند مسائل ہیں

رسول اللہ ﷺ کے لئے چار عورتوں سے زیادہ جمع کرنا جائز تھا، اس پر اجماع ہے، آپ [ﷺ] کی وفات اس حال میں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں نو ازواج مطہرات موجود تھیں۔ جب آزاد کو غلام پر فضیلت ہے تو رسول اللہ ﷺ کے لئے عام آدمی کے مقابلہ میں اباحت کی زیادہ گنجائش ہوگئی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے افضل ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لئے، مباحات میں عام لوگوں کی نسبت بہت گنجائش رکھی گئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو ایک بڑے جلیل الشان بادشاہ بھی تھے، ایک ہزار بیویاں اور باندیاں تھیں، حضرت داؤد [علیہ السلام] کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اس کو امام ابوالنصر عبدالرحیم القشیری

نے، اپنی تفسیر "التیسیر" میں بیان کیا ہے۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول: **اَمْ یَحْسُدُونَ النَّاسَ أي النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم عَلٰی مَا آتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہِ أي من الزیادۃ الخ** [کہ، کیا لوگ نبی [علیہ السلام] سے اس بات پر جلتے ہیں کہ اللہ نے ان کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے،](۱) کی تفسیر میں لکھا ہے ہمارے نبی محمد ﷺ کے لئے ننانوے بیویاں جائز تھیں۔

آپ [علیہ السلام] کو یہ خصوصیت اس وقت دی گئی، جب کہ آپ [ﷺ] کو خوشبو، عورت اور نماز محبوب کرادی گئی، جیسا کہ امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور مسلم کی شرط پر بتلایا ہے (۲) لیکن اس حدیث کی سند میں کلام کیا گیا ہے، جس کو میں نے رافعی کی حدیث کی تخریج میں واضح کیا ہے۔

ماوردی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عورتوں سے محبت فرمانا، اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے، ایک رائے تو یہ ہے کہ آپ [ﷺ] کو عورت اس لئے محبوب کردی گئی تھی، تاکہ آزمائش اور تکلیف زیادہ ہو، آپ [ﷺ] عورتوں کی محبت میں، فرائض نبوت سے غافل نہ ہوجائیں۔

دوسری یہ ہے کہ آپ [ﷺ] کے احوال کو دیکھنے والے زیادہ ہوجائیں، کیونکہ عورتیں مردوں کے احوال نہیں چھپاتی ہیں۔

تیسری یہ ہے کہ ہر قبیلہ سے آپ [ﷺ] کا مصاہرت کا رشتہ قائم ہوجائے، اور اس سے تائید وتقویت ملے (تالیف قلوب حاصل ہو)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے، کہ آپ [ﷺ] کے لئے نکاح فرمانا بھی عبادت تھا، اور اس کے بے شمار فوائد میں سے یہ بھی تھا کہ ان ازواج کے ذریعہ سے ہی شریعت کی بہت سی ایسی

(۱) النساء، آیت: ٥٤.

(۲) مستدرك حاكم (٢/١٦٠) كتاب النكاح [دار المعرفة بيروت بلاسنه]

باتیں ہم تک پہنچیں، جن سے مرد ناواقف ہوتے ہیں۔ متعدد ازواج کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی گھریلو باتوں، خصوصیات، احوال اور معجزات کو، اسی تفصیل سے بیان فرمایا ہے، جس طرح گھر سے باہر کے معاملات، کمالات اور احوال کو مردوں نے محفوظ اور بیان فرمایا۔

فائدہ: مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو، جنت کے چالیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی، حضرت انسؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ آپ [ﷺ] کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ مجاہد کا قول ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے۔

(۲) لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح منعقد ہونے کے بارے میں دو قول ہیں:

پہلا قول صحت کا ہے، اسی پر امام غزالی نے قطعیت ظاہر کی ہے اس آیت شریفہ کی وجہ سے:

''وَامرأةً مُؤمِنَةً إن وَهَبَتْ نَفسَهَا لِلنَّبِي إن أرَادَ النَّبِي أَنْ يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُوْنِ المؤمِنِين''(۱)

اور جو عورت ہو مسلمان اگر بخش دے اپنی جان نبی کو، اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لائے۔ یہ خاص ہے تیرے لئے سوائے مسلمانوں کے۔

اس قول کی بنا پر عقد نکاح کی وجہ سے مہر واجب نہ ہوگا اور نہ صحبت کرنے سے مہر واجب ہوگا، آیت کا مقتضی بھی یہی ہے۔ پھر کیا رسول اللہ ﷺ کا لفظ نکاح کہہ دینا شرط ہے، یا لفظ ہبہ کہنا کافی ہے؟ پہلا قول یہ ہے کہ لفظ نکاح یا لفظ ہبہ کچھ بھی کہنا شرط نہیں ہے، جیسا کہ عدت کے لئے بھی شرط نہیں، جیسا کہ اصل روضہ میں تحریر ہے، اسی قول کو رافعی نے ترجیح دی ہے، ابوحامد کہتے ہیں کہ لفظ نکاح یا ہبہ کہنے کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ قرآن کریم کے الفاظ:

(۱) الأحزاب، آیت: ۵۰

''أنْ يَسْتَنكِحَهَا''

سے ظاہر ہوتا ہے، اس لئے آپ [ﷺ] کی جانب سے لفظ نکاح کہنا ہی معتبر مانا جائے گا۔ پھر علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے، کہ وہ موہوبہ عورت آپ [ﷺ] کے لئے ہدیہ ہوگی، یا نہیں؟ دراصل ''إنْ وَهَبَتْ'' میں لفظ ''إن'' میں قراء کا اختلاف ہے، بعض نے اس کو زیر کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض نے زبر کے ساتھ!، اگر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس میں شرط کے معنی پائے جائیں گے، شرط مستقبل کے لئے ہوگی، اگر زبر کے ساتھ پڑھا جائے، تو یہ ماضی کی خبر واقع ہوگی۔

پھر اسی طرح سے علماء میں اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ عورت کون تھی؟ عروہ کہتے ہیں کہ اُمّ شریک تھیں، امام نسائی نے ان کی روایتیں لی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کے مطابق، وہ میمونہ بنت حارث تھیں، شعبی کہتے ہیں کہ ام المساکین، زینب بنت خزیمہ انصاریہ تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ام شریک غزیہ بنت جابر بن حکیم تھیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بنت ذروان بن عوف تھیں، کہا گیا ہے کہ غزیلہ تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ لیلیٰ بنت خطیم تھیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فاطمہ بنت شریح تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ، خولہ بنت حکیم تھیں، حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین میں مذکور ہے:

''كَانَتْ خَولةُ بِنتِ حَكِيم مِن اللاَّتِي وَهَبْنَ أنفسَهُنَّ لِرَسُول الله صَلَّى الله عَلَيهِ وَسَلَّمَ''الخ.(۱)

فرماتی ہیں خولہ بنت حکیم ان عورتوں میں تھیں، جنہوں نے اپنی ذات کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کیا تھا۔

(۱) صحيح البخاري ۷۶۶/۲ كتاب النكاح باب هل لِلمرأة أن تهب نفسها لأحد(۱۲/۷) رقم:۵۱۱۳.

عیون المعارف میں ابو عبداللہ محمد بن سلام قضاعی کی عبارت یوں ملتی ہے، فرماتے ہیں کہ، یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت میں شامل تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے نکاح لفظ ہبہ کے ذریعہ فرمائیں۔ اور آپ [ﷺ] کے لئے مہر شب باشی کے بعد ہی واجب ہوگا، مگر یہ قول ضعیف ہے۔ قضاعی نے اس کو بھی آپ [ﷺ] کی ان خصوصیات میں شمار فرمایا ہے، جو صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے تھیں، دوسرے انبیاء کے لئے نہیں، اور نہ ہی دوسری امتوں کے لئے اور یہ صرف آپ کی عظمت شان اور تعظیم کی وجہ سے تھا۔

(۳) اگر حضور ﷺ کسی عورت سے نکاح فرمانا چاہیں، اگر وہ کسی کی زوجیت میں نہیں ہے تو اس کو آپ [ﷺ] سے نکاح کرنا واجب تھا، اور کسی دوسرے شخص کے لئے اس عورت کو نکاح کا پیغام دینا حرام تھا اور اگر رسول اللہ ﷺ کسی ایسی عورت کو پسند فرماویں جو شادی شدہ ہو، تو اس کے شوہر کے لئے اپنی بیوی کو طلاق دینا واجب تھا، صحیح قول یہی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُول... الآیة "(۱)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا

ایسے ہی ماوردی نے، اور امام غزالی نے اپنی کتاب وسیط میں، حضرت زید کے قصہ سے طلاق کے وجوب کا استدلال کیا ہے، غزالی کہتے ہیں کہ اس کا راز یہ ہے کہ، اس طریقہ سے ایمان والوں کا امتحان مقصود ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کو، اپنی زندگی سے الگ کرتا ہے یا نہیں، حضور [ﷺ] کے لئے امتحان میں پڑنا آدمی کے لئے آزمائش ہے، اللہ نے حضور ﷺ کو آنکھوں کی خیانت سے منع فرمایا ہے اور ان پوشیدہ باتوں سے بھی جو ظاہر کے خلاف ہوں، آنکھوں کی حفاظت سے زیادہ کوئی چیز قابل حفاظت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ آنکھوں کے اتفاقی لمحات کی بھی حفاظت کرتے تھے، اس کو فقہاء نے تخفیف کے اقسام میں ذکر کیا ہے۔ میرے

(۱) الأنفال، آیت: ۲۴

نزدیک یہ نہایت اہم بات ہے، اس لئے کہ اگر عام لوگوں کو اس کا مکلّف بنا دیا جاتا، تو راستوں میں اپنی آنکھوں کو نہ کھولتے، کہ کہیں کسی پر اتفاقاً نظر نہ پڑ جائے، اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر آپ [ﷺ] کسی بات کو چھپا سکتے، تو اس آیت کو چھپاتے۔ وَ اِذْ تَقُولُ لِلَّذِی اَنْعَمَ اللّٰہ علیہِ وَانعمتَ علیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ الخ.(۱)

(۴) آپ [ﷺ] کا نکاح بغیر ولی اور گواہوں کے منعقد ہو جاتا تھا، اس میں بھی دو قول ہیں: پہلا قول تو یہ ہے کہ منعقد نہیں ہوتا تھا، اس لئے کہ آپ [ﷺ] کا ارشاد عالی ہے:

"لانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِیّ وَشَاهِدَیْ عَدْلٍ "(۲)

نکاح منعقد نہیں ہوتا، ولی وسر پرست اور دو گواہوں کے بغیر

دوسرا اور صحیح قول یہ ہے کہ ہو جاتا تھا، اس لئے کہ ولی کا اعتبار کفو کی حفاظت کی وجہ سے ہوتا ہے اور آپ [ﷺ] سب سے افضل کفو ہیں (رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا) اور گواہوں کی موجودگی، بعد میں انکار کرنے والے سے مأمون رہنے کی وجہ سے ہے، اور آپ [ﷺ] کبھی انکار نہیں کریں گے، اور اگر عورت انکار کرے، تو اس کی بات کا حضور ﷺ کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ عراقی نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ، حضور ﷺ کو انکار کرنے کی وجہ سے، وہ عورت کافرہ ہو جائے گی، یہ بھی انعقاد نکاح کی دلیل ہے، کہ تمام صحابہ کو حضرت صفیہؓ کے متعلق اشکال ہوا کہ، آپ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور یہ اختلاف حضرت زینبؓ کے علاوہ ہے، اس لئے کہ حضرت زینبؓ کے لئے تو نص

(۱) الأحزاب آیة: ۳۷

(۲) أخرجه الترمذي ۱/۲۰۸ کتاب النکاح ، باب ماجاء لانکاح إلا بولي رقم: ۱۱۰۱، [دارالکتب العلمیة ،بیروت] وأبوداؤد في کتاب النکاح باب في الولي رقم: ۲۰۸۵ [موسسة الریان،بیروت: ۵۱۴۲۵] والحاکم في المستدرك (۲/۱۶۹.۱۷۰) کتاب النکاح ووافقه الذهبي علی تصحیحه.[دارالمعرفة،بیروت]

موجود تھی، جب کہ امام نووی نے مسلم کی شرح میں باب زواج زینب بنت جحش میں، اس کو واضح کیا ہے۔ قضاعی نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ان خواص میں شامل فرمایا ہے، جس میں دوسرے انبیاء شریک نہیں ہیں۔

(۵) حالت احرام میں رسول اللہ ﷺ کا نکاح منعقد ہونے کے بارے میں ہے، اس میں بھی دو قول ہیں: پہلا یہ ہے کہ منعقد ہو جاتا ہے، جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا،(۱) اس قول کو رافعی، ماوردی اور امام نووی نے ترجیح دی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ منعقد نہیں ہوتا، جیسے کہ آپ [علیہ السلام] کے علاوہ کے لئے حالت احرام میں نکاح منعقد نہیں ہوتا اور جس طرح سے رسول اللہ ﷺ کے لئے حالت احرام میں صحبت کرنا حرام ہے۔ اکثر روایات میں ہے کہ حضرت میمونہؓ کا نکاح حالت احرام میں نہیں ہوا، بلکہ آپ [ﷺ] حلال تھے۔ رافعی وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ کے حالت احرام میں نکاح فرمانے والی حدیث کو، صرف حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح ابن حبان میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

أَنَّه تَزوَّج بَعْضَ نِسَائه وَهُو مُحرم .

کہ آپ [ﷺ] نے اپنی بعض ازواج سے حالت احرام میں نکاح فرمایا۔

حضرت میمونہؓ اور ابو رافعؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ [ﷺ] نے نکاح فرمایا، اس وقت رسول اللہ ﷺ حلال تھے، وہ اس واقعہ کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے زیادہ جاننے والے

(۱) صحیح البخاري ۲/۶۱۱، کتاب المغازي، باب غزوة زيد بن حارثه(۵/۱۱۷) رقم: ۴۲۵۸. ومسلم ۱/۴۵۴، کتاب النکاح باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته (۱/۶۳۸) رقم: ۱۴۱۰.

ہیں، اس لئے کہ یہ واقعہ خود ان کے متعلق ہے، اور اس لئے بھی کہ وہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بڑی ہیں اور ان سے زیادہ محفوظ رکھنے والی ہیں، ابن مسیّب کہتے ہیں کہ اس روایت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وہم ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ تَزَوَّجها وَهُو حَلالٌ (۱)

جب آپ [ﷺ] نے نکاح فرمایا اس وقت رسول اللہ ﷺ حلال تھے۔

یہ واقعہ عمرۃ القضاء کے وقت پیش آیا تھا، جیسا کہ بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے، لیکن حضرت ابن عباسؓ اس وقت آپ [ﷺ] کے ہمراہ نہیں تھے، اور ابن عباسؓ کی مشہور حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ آپ [ﷺ] نے ماہ حرمت میں یا بلد حرام [مکہ معظّمہ] میں نکاح فرمایا تھا۔ جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے:

قَتَلُوا اِبنَ عَفَّانَ الخَليفة مُحرماً

اس لئے کہ خلیفۃ المسلمین، حضرت عثمان ابن عفان کو، شہر حرام کے ایام تشریق میں قتل کیا گیا تھا۔ قضاعی نے اس کو بھی رسول اللہ ﷺ کی ان خصوصیات میں شمار فرمایا ہے، جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دی گئیں۔

(٦) رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری متعین کرنا واجب تھا، اسی کو اصطخری نے اختیار کیا ہے، ماوردی کہتے ہیں کہ امام غزالی نے اپنی کتاب خلاصہ میں اس کو صحیح کہا ہے اور اپنی کتاب وجیز میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لئے واجب تو نہ تھا، مگر آپ ﷺ تبرعاً ایسا فرمایا کرتے تھے، اس لئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے لئے باری واجب کر دی جاتی تو رسول اللہ ﷺ کو امور رسالت کے انجام دینے میں

(۱) سنن الدارقطني (۲/۳۹۹) کتاب النکاح [فاروقی، دهلی. ۱۳۱۰ھ]

مشقت و پریشانی پیش آتی، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تُرجِي مَن تَشَاء الآية [1] کی وجہ سے بھی یہی صحیح ہے۔

آپ [ﷺ] اپنی تمام ازواج کے پاس کبھی ایک ہی وقت جایا کرتے تھے، جیسا کہ امام بخاری نے حضرت انسؓ کی حدیث نقل فرمائی ہے، [2] اس سے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ پر باری واجب نہیں تھی، مگر شیخ ابوحامد، اہل عراق اور امام بغوی کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر باری واجب تھی یہی صحیح ہے۔ الام میں یہی ظاہر نص ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ [علیہ السلام] اپنے مرض وفات میں بھی، ازواج مطہرات کی باری میں گئے، یہاں تک کہ ازواج مطہراتؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اجازت دے دی، جیسا کہ امام شافعی نے مختصر میں ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الھبہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات سے اس بات کی اجازت چاہی کہ مرض کے دنوں میں میرے گھر میں قیام فرمائیں، تو ان سب نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اجازت دیدی، صحیح روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

أللّٰهُمَّ هٰذاقَسمِي فِيمَاأَملِكُ . (۳)

اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں۔

سنن اربعہ میں اس کی تخریج کی گئی ہے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، اس وقت انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کردی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس دو دن

(۱) الأحزاب ،آیت: ۵۱.

(۲) صحيح البخاري۲/۷۸۵ كتاب النكاح باب من طاف على نسائه في غسل واحد (۱۱۰/۷)رقم:۵۲۱۵

(۳) مستدرك حاكم كتاب النكاح(۲/۱۸۷) وقال هذاحديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه. [دار المعرفة، بيروت]

جایا کرتے تھے، یہ آیت ازواج مطہراتؓ کی تبدیلی کی حرمت کے بعد، مباح ہونے پر محمول ہے۔ ابن قشیری اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ شروع میں رسول اللہ ﷺ کے لئے باری واجب تھی، پھر اس آیت سے وجوب منسوخ ہوگیا۔

(۷) رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی ازواج کو نفقہ دینا، واجب تھا، اس میں بھی وہی دو قول ہیں جو مہر کے سلسلہ میں گذر چکے ہیں، صحیح یہ ہے کہ واجب تھا، جیسا کہ امام نووی نے روضہ میں ذکر کیا ہے۔

(۸-۹-۱۰) رسول اللہ ﷺ کے لئے جس عورت سے چاہیں، بغیر اس کے اور اس کے ولی کی اجازت کے نکاح کرنا جائز تھا، آپ [ﷺ] دونوں جانب سے ولی ہیں، بغیر اس کی اور اس کے ولی کی اجازت کے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مؤمنین کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ اولیٰ قرار دیا ہے، حنّاطی نے اس کی مخالفت کی ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے اجازت چاہی تھی، شاید یہ اجازت رسول اللہ ﷺ نے ان کی لطیف طبیعت کی وجہ سے لی تھی۔

(۱۱) حضرت زینبؓ کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے نکاح فرما دیا تھا، اس نکاح کی وجہ سے حلال تھیں۔ دلیل ''وَزَوَّجنٰکھَا'' ہے، کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی شادی حضرت زینبؓ سے کردی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت زینبؓ تمام ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں۔ اس حدیث کو حضرت انسؓ کے واسطہ سے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے مگر ہمارے بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نکاح کا ارادہ فرماتے، تو فرما لیتے مگر ''زَوَّجنٰکھا'' کے معنیٰ ''أحللنا'' کے ہیں، یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ان کا نکاح حلال کر دیا۔ قضاعی نے اس خصوصیت کو ان میں شمار کیا ہے، جو دوسرے انبیاء کو نہیں دی گئیں۔

(۱۲) ایک قول کے مطابق، رسول اللہ ﷺ کے لئے معتدہ سے نکاح کرنا حلال تھا،

جس کو بغوی اور رافعی نے نقل کیا ہے، مگر وہ غلط ہے۔ جمہور نے رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ صحیح قول وہ ہے جو امام نووی کی روضہ میں مذکور ہے کہ معتدہ سے نکاح قطعی طور پر ممنوع تھا، یہی امام غزالی نے خلاصہ میں تحریر کیا ہے کہ وہ غلط مُنکَرْ ہے اور میں اس کو وہاں سے مٹانا چاہتا ہوں۔

اور اسی کا اتباع صاحب مختصر امام جوینی نے کیا ہے، اس غلطی کی وجہ سے امام مزنی کے کلام میں کتابت کی غلطی ہے۔

(۱۳) رسول اللہ ﷺ کے لئے بیوی کی پھوپھی اور خالہ کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا یا نہیں! اس میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ جائز تھا۔ اس کو رافعی نے ابن قطان سے نقل کیا ہے، اس حدیث [**لَا تنكح المرأة على عمتها ولا على خالتها**] کی وجہ سے، کہ متکلم اپنے کلام میں داخل ہوتا ہے، یا نہیں، جو لوگ متکلم کو اپنے کلام میں داخل مانتے ہیں، وہ عدم جواز کے قائل ہیں، یعنی کسی کے لئے بھی (بیوی کی پھوپی اور خالہ کو جمع کرنا) جائز نہیں جو لوگ متکلم کو کلام سے خارج مانتے ہیں، ان کے یہاں رسول اللہ ﷺ کے لئے، پھوپی و خالہ کو جمع کرنا جائز تھا۔ (۱)

(۱۴) رسول اللہ ﷺ کے لئے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں تھا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے خطاب میں نبی بھی داخل ہے، حضرت اُمّ حبیبہؓ کی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے، فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ، کیا آپ ﷺ میری بہن، ابوسفیان کی بیٹی سے نکاح کرنا پسند کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں۔

(۱۵) رسول اللہ ﷺ کے لئے ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں تھا، حناطی نے اس کے خلاف نقل کیا ہے، مگر وہ بعید از قیاس ہے۔

(۱) صحیح البخاری جز: ۹/۱۶۰

(۱۶) رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد فرمایا، پھر ان سے نکاح فرمایا اور ان کی آزادی کو مہر قرار دیا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ بے شک بخاری میں حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کیا، پھر مہر عطا فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیا عقد مہر کے ساتھ تھا، جو آزادی کے علاوہ تھا۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ان کو مہر دیا تھا۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا، اس حدیث کو ابن حزم نے یعقوب بن حمید بن کاسِبْ کی وجہ سے، جو مختلف فیہ ہیں معلل بتایا ہے، ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ: **جَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا** کے معنی یہ ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اس شرط کے ساتھ آزاد کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے نکاح کریں، تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس شرط کا پورا کرنا لازم تھا، آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لئے ایسا نہیں تھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نکاح کا معاملہ علیحدہ سے کیا گیا، مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ آزادی کو ہی مہر قرار دیا گیا تھا۔ اس کو ماوردی نے لکھا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے جائز تھا، کسی اور کے لئے نہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے، بغیر کسی عوض و بدلہ کے آزاد فرمایا تھا اور بغیر مہر کے نکاح فرمایا تھا کہ مہر نہ تو فی الحال دینا ہے، نہ ہی بعد میں، امام نووی اور ابن صلاح نے اس قول کو اصح کہا ہے، امام بیہقی نے بھی اسی پر قطعیت ظاہر کی ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ، جس چیز میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت کی دلیل موجود نہ ہو، اس کا اتباع کرنا امت کے لئے جائز ہے۔ ایسے ہی ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یہی ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے ہر امتی کے لئے جائز ہے، نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

چوتھی نوع ان فضائل وکرامات کے بیان میں جو آپ [علیہ السلام] کے ساتھ خاص ہیں

اس کی بھی دو قسمیں ہیں: اول نکاح کے لئے، دوم اس کے علاوہ معاملات سے متعلق۔

پہلی قسم میں چند مباحث ہیں:

اول: رسول اللہ ﷺ کی وہ ازواج محترمات، جن کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اوروں پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں، اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

''وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا'' (۱)

اور تم کو نہیں پہنچتا ہے کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو، اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی۔

کہا گیا ہے کہ، یہ آیت حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، انہوں نے کہا تھا کہ اگر حضور اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت عائشہؓ سے ضرور نکاح کروں گا۔

ان سے نکاح اس لئے بھی حرام ہے کہ وہ تمام مؤمنین کی مائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُم (۲) یعنی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، مؤمنین کی ماؤں کی طرح ہیں۔

ازواج مطہرات کا احترام ان کی طاعت اور ان سے نکاح کے حرام ہونے کے معاملہ

(۱) الأحزاب، آیت: ۵۳

(۲) الأحزاب ،آیت: ۶

میں مؤمنین کی ماؤں کی طرح ہیں، دوسروں کے لئے ان کے حلال ہونے میں، رسول اللہ ﷺ کے منصب نبوت کیلئے نقص اور عیب ہے اور اس لئے بھی کہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہوں گی، جیسا کہ میں نے خصّاف کی خصال میں اور قُضاعی کی عیون المعارف میں دیکھا ہے۔ انہوں نے اس کو، ان خصوصیات میں شمار کیا ہے، جس میں دوسرے انبیاء اور امتیں شریک نہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے علاوہ، اس امت کی عورتیں جنت میں دوسرے شوہروں کے ساتھ بھی ہوں گی، جیسا کہ قشیری کہتے ہیں۔

اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں، اسی لئے ماوردی نے کہا ہے کہ ازواج مطہرات کے لئے عدّتِ وفات نہیں ہے۔ اور وہ عورتیں جن کو آپ [ﷺ] نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی علیحدہ کر دیا تھا، جیسا کہ مستعیذہ اور وہ عورت جس کے پہلو میں، رسول اللہ ﷺ نے سفیدی دیکھی تھی، تو ان کے سلسلہ میں تین رائیں ہیں۔

پہلی رائے: تو یہ ہے کہ وہ بھی حرام رہیں گی، یہ قرآن سے ثابت ہے، اس لئے کہ قرآن مجید میں اس حکم کی صراحت کے بعد: ''مِن بَعْدِهِ أَبَدًا'' آیا ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صرف وفات کے بعد کے زمانہ پر ہی محمول نہیں، بلکہ اس میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں [نکاح سے] علیحدگی بھی شامل ہے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے واجب ہونے کی وجہ سے، وہ بھی حرام ہی تھیں، اس لئے کہ ہر اک عورت کا شوہر عام طور پر، اس کے پہلے شوہر کو ناپسند کرتا ہے۔ امام نووی نے روضہ میں اسی کو راجح کہا ہے، ابن صلاح کہتے ہیں کہ ظاہر نص سے، یہی زیادہ قریب ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ آپ [علیہ السلام] کے ان سے اعراض فرما لینے اور بے تعلقی کی وجہ سے، وہ ازواج حرام نہیں ہوں گی، کیوں کہ اس میں ان عورتوں کا نقصان بھی ہے۔

تیسرا قول: جس کو ابو حامد اور رافعی اور ماوردی اور امام غزالی نے صحیح کہا ہے، جس پر حاوی صغیر میں اعتماد ظاہر کیا گیا ہے، یہ ہے کہ صرف وہ عورتیں حرام تھیں، جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ شب باشی فرما چکے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں، اشعث بن قیس نے مستعیذہ عورت سے نکاح کیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مدخول بہا نہیں تھیں، اس لئے حضرت عمرؓ رک گئے یہ بات امام شافعیؒ امام غزالی اور قاضی نے ذکر کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اشعث کو رجم کے بجائے کوڑے لگائے گئے تھے۔

اور ذکر کیا گیا ہے کہ جس سال رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، اسی سال (ربیع الاول ۱۰ھ) میں، رسول اللہ ﷺ نے اشعث بن قیس کندی کی بہن، قتیلہ سے نکاح فرمایا تھا، لیکن شب باشی کی نوبت نہ آئی تھی، پھر مرض وفات میں وصیت فرمائی، کہ قتیلہ کو اختیار دیا جائے کہ اگر چاہیں تو پردہ اختیار کرلیں، وہ تمام مؤمنین کے لئے حرام ہو جائیں گی، ان پر بھی وہی احکام جاری ہوں گے، جو تمام امہات مؤمنینؓ پر جاری ہوں گے، ورنہ جس سے چاہیں نکاح کرلیں، انہوں نے نکاح کو اختیار کیا۔ اسی لئے حضرموت میں عکرمہؓ بن ابی جہل سے نکاح کرلیا، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر پہنچی، تو انہوں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے آگ میں جلادوں، تب حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ امہات المؤمنین میں سے نہیں ہیں، اور نہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شب باشی کی ہے اور نہ ہی اس پر پردہ کا حکم فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ رک گئے۔ ماوردی کہتے ہیں کہ اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔

اگر ہم اور آگے بڑھیں تو وہ باندی، جس کو رسول اللہ ﷺ نے وفات یا کسی اور وجہ سے ہمبستری کے بعد چھوڑ دیا ہو، اس میں بھی دو رائے ہیں: پہلی یہ ہے کہ حلال نہیں ہوں گی، دوسری رائے یہ ہے کہ وہ حلال تھیں، اس لئے کہ حضرت ماریہؓ کا شمار، امہات المؤمنینؓ میں نہیں

ہوتا۔ ماوردی کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی وجہ سے، آپ ﷺ کی کسی باندی سے بھی نکاح حرام ہوگا، جیسا کہ حضرت ماریہؓ [جو حضرت ابراہیم کی والدہ ہیں] غلامی کے نقص کی وجہ سے، اگرچہ امہات المؤمنینؓ کے درجہ کو نہیں پہنچتیں، اس لئے کہ تمام ازواج مطہراتؓ غلامی کے عیب سے محفوظ ہیں۔

جس طرح مطلقہ کے بارے میں دو قول ہیں، اسی طرح اگر اس باندی کو بیچ دیا جائے، تو تمام مؤمنین کے لئے ان کا خریدنا حرام ہونے میں بھی دو قول ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تمام تفصیلات ان امہات کے متعلق ہیں، جن کو اختیار نہیں دیا گیا، جن کو اختیار دیا گیا، ان میں سے جو دنیا کو اختیار کرنا چاہے، تو اس کے شوہر کے لئے حلال ہونے میں دو طریقے ہیں، علمائے عراق کا کہنا ہے کہ اس کو دھتکار دیا جائے گا۔ ابو یعقوب ابیوردی اور دوسرے حضرات کہتے ہیں، کہ حلال ہوگی، تاکہ تخییر کا فائدہ حاصل ہو، جو وہ دنیا کی زیب و زینت کو اختیار کرنا ہے، اسی کو امام شافعی نے نقل کیا ہے، اس پر اتفاق نقل کیا گیا ہے، امام غزالی نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے۔

حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ وہ سب سے پہلی خاتون ہیں، جن سے آپ ﷺ نے شام کے سفر سے واپسی پر نکاح فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی، اور وہی رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد کی والدہ ہیں، سوائے حضرت ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے۔ ماریہؓ ملک مصر کے ''أنصنا'' علاقے کی رہنے والی تھیں، ماریہ قبطیہ کو مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ میں پیش کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی موجودگی میں کسی سے نکاح نہیں فرمایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات، ہجرت سے تین سال قبل ہوگئی تھی۔ جو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں، وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

"خَیْرُ نِسَائِهَا مَرْیمُ وَخَیْرُ نِسَائِهَا خَدِیجةُ."(۱)

سب سے بہترین عورت عمران کی بیٹی مریمؑ ہیں اور عمدہ ترین خاتون خدیجہؓ ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں آتی، جتنی حضرت خدیجہؓ پر آتی ہے، ان کا رسول اللہ ﷺ اس کثرت کے ساتھ تذکرہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے غیرت آنے لگتی تھی۔ کہتی ہیں کہ ان کی وفات کے تین سال بعد، آپ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یا جبرئیل علیہ السلام نے حکم دیا کہ حضرت خدیجہؓ کو جنت میں چمکدار موتیوں کے محل کی بشارت دیں، اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ سے افضل ہیں، اس لئے کہ حضرت خدیجہؓ سے حضور ﷺ کا پہلا نکاح ہوا تھا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ عائشہؓ افضل ہیں، اس لئے کہ وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں۔ اور ہجرت کے بعد انہوں نے ایک لمبی مدت، صحبت میں گذاری، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات تک، آپ ﷺ کے ساتھ رہیں، اور رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

عالم کبیر، ابوبکر بن داؤد سے پوچھا گیا کہ حضرت عائشہؓ افضل ہیں یا خدیجہؓ؟ انہوں نے جواب دیا کہ عائشہؓ کو جبرئیل علیہ السلام نے سلام کہا ہے اور خدیجہؓ کو، نبی ﷺ کی زبانی جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے، رب کریم نے سلام بھیجا ہے، اس وجہ سے وہی افضل ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ اور فاطمہؓ کے بارے میں پوچھا گیا، کہ کون افضل ہے تو جواب دیا کہ، حضرت فاطمہؓ! اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کا حصہ ہیں، جس کا کوئی ہمسر یا بدل

(۱) صحیح البخاری ۱/۵۳۸، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبي صلی اللہ علیه وسلم خدیجة وفضلها (۵/۳۲) رقم: ۳۸۱۶.

نہیں ہوسکتا، وہ تمام مؤمن عورتوں کی سردار ہیں، جیسا کہ حضرت فاطمہؓ سے روایت کیا گیا ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [مرض وفات میں] حضرت فاطمہؓ کو راز کی ایک بات بتائی، تو وہ رونے لگیں اور جب دوسری بات بتائی تو ہنسنے لگیں۔ جو یہ تھی کہ وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ صحیحین میں ان کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور حضرت فاطمہؓ کا یہ ارشاد جب لوگ آپ [علیہ السلام] کو دفنا رہے تھے تو انہوں نے کہا تھا:

"یَا اَنَس! أَطَابَتْ أَنفسُکم أَنْ تَحْثُوا عَلی رَسُول اللّٰهِ التُّراب"(۱)

اے انس! کیا تمہارے دلوں نے کس طرح گوارہ کرلیا، کہ تم رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالو۔

ابن دحیہ نے اپنی کتاب تنویر میں دعوی کیا ہے کہ ان کے بارے میں صحیحین میں فقط پہلی روایت ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ اپنی بہنوں میں افضل ہیں اور حضرت زینبؓ کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے کہ جب وہ مکہ سے زید بن حارثہ کے ساتھ نکلی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگوٹھی حضرت زیدؓ کو دے کر بھیجا تھا، حضرت زیدؓ نے وہ انگوٹھی حضرت زینبؓ کے چرواہے کو دی، اس نے حضرت زینبؓ کو لے جا کر، دی، حضرت زینبؓ وہ انگوٹھی پہن کر، حضرت زید کے ہمراہ مدینہ منورہ نبی پاک علیہ السلام کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي أُصِیبَتْ فِيَّ."(۲)

یہ میری سب سے اچھی بیٹی ہے، جس کو میری وجہ سے قید میں رکھا گیا، پریشانی میں مشقت میں ڈالا گیا۔

(۱) سیرة ابن هشام (۵/۱٦٤)[مؤسسة علوم القرآن، جده]

(۲) مجمع الزوائد (۹/۲۱۲). [دار الکتب العلمیة، بیروت: ۱٤۰۸ھ] سیرة ابن هشام (۱/٦۵۳). [مؤسسة علوم القرآن، جده]

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ بات تو صحیح ہے، مگر یہ قول خاص اسی وقت پر محمول کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ کو اعمال صالحہ اور احوال مرضیہ کی وہ توفیق دی، جس کی وجہ سے وہ تمام بیٹیوں پر فوقیت لے گئیں۔

دوسری: ام المساکین زینبؓ بنت خزیمہ ہلالیہ کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ نے شب باشی فرمائی اور ان کے پاس ایک ماہ کا وقت گذارا، پھر ان کا انتقال ہو گیا، وہ میمونہ بنت حارث کی ماں شریک بہن تھیں۔ ابن اثیر نے معرفۃ الصحابہ میں اس پر اعتماد ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے، حضرت خدیجہؓ اور زینب بنت خزیمہؓ سے پہلے کسی کا انتقال نہیں ہوا۔

تیسری: سبا بنت صلتؓ، ان کا رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا۔

چوتھی: اَساف دحیہ کلبی کی بہنؓ، رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئیں۔

پانچویں: خولہ بنت ہذیلؓ، وہ بھی رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے سے پہلے وفات پا گئیں۔

چھٹی: خولہ بنت حکیم سلمیہؓ شب باشی سے پہلے ہی وفات پا گئیں تھیں۔
اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے ہی اپنے آپ کو حضور [ﷺ] کے لئے ہبہ کیا تھا۔

وہ نو، جن کی حیات میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی

اول: حضرت عائشہؓ بنت الصدیق ہیں، جن سے آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے دو یا تین سال بعد نکاح فرمایا، جیسا کہ بخاری کی روایت میں گذر چکا ہے۔ دو سال والی روایت بھی بخاری میں، ہی مذکور ہے کہ یہ نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا، جب حضرت عائشہؓ کی عمر چھ یا سات سال تھی۔ دونوں روایتیں بخاری میں موجود ہیں۔

شوال کے مہینہ میں مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی، واقدی کہتے ہیں کہ ۱ھ میں رخصتی ہوئی، ابن دحیہ کہتے ہیں کہ پہلا قول ہی صحیح ہے اور واقدی کذاب ہیں، مگر شیخ شرف الدین دمیاطی کہتے ہیں کہ واقدی کا قول ہی صحیح ہے، انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ نو سال کی تھیں۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے غیر شادی شدہ عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت، وہ اٹھارہ سال کی تھیں، حضرت خدیجہؓ کے بعد، رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ان ہی سے نکاح فرمایا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے پہلے سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ محبوب زوجہ تھیں۔

دوم: سودہ بنت زمعہ سے، حضرت عائشہؓ کے بعد آپ ﷺ نے نکاح فرمایا، جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ جب ان کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو معلوم ہوا (کہ بہن نے نکاح کرلیا) تو (غصہ میں) اپنے چہرے پر مٹی ڈالنے لگے، اور جب اسلام لے آئے تو اس پر شرمندہ [رہتے] تھے۔

سوم: حفصہ بنت عمر بن الخطابؓ، سے مدینہ منورہ میں حضرت سودہؓ کے بعد آپ ﷺ نے نکاح فرمایا، ماوردی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان کو پیغام دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ میں تمہیں حفصہؓ کے لئے عثمان سے بہتر نہ بتا دوں، حضرت عثمان کو حفصہؓ سے بہتر پر مطلع فرمایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے خود ان سے نکاح فرما لیا اور اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا حضرت عثمانؓ سے نکاح کر دیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے، حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی، رجوع کی بھی روایت ملتی ہے، اس لئے کہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی بہت زیادہ نماز پڑھنے والی تھیں۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی تھی:

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا . (۱)

اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو، تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے

چہارم: اُم حبیبہؓ، ابوسفیانؓ کی بیٹی، جو بیوہ تھیں اور عبیداللہؓ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ عبیداللہؓ بن جحش کا حبشہ میں انتقال ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ بن عفان نے یا خالد بن سعید بن عاص نے یا ولید نے، ان کا نکاح آپ ﷺ سے خود ان کی اجازت سے کر دیا تھا۔ اس لئے کہ یہ سب ام حبیبہؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ کہا گیا ہے کہ نجاشی نے نکاح کیا تھا یا عمرو ابن امیہ ضمری نے۔ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے نجاشی نے چار ہزار مہر دیا تھا، یہ واقعہ ۶ھ یا ۷ھ کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ، جب وہ حبشہ سے واپس مدینہ منورہ آئیں تب نکاح ہوا۔

جب آپ [ﷺ] کے صاحبزادہ ابراہیم کی پرورش کے بارے میں، ازواج مطہرات میں اختلاف ہوا، اس وقت آپ [ﷺ] نے فرمایا، ان کو ام حبیبہ کے پاس لے جاؤ، کیونکہ وہ اس کی رشتہ میں زیادہ قریب ہیں۔

پنجم: ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ بن مغیرہ مخزومیہ سے آپ ﷺ نے نکاح فرمایا جب ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ عبیداللہ بن عبدالاسد کی وفات ہوئی تھی۔

ششم: میمونہ بنت حارثؓ، عبداللہ ابن عباسؓ کی خالہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ابو رافعؓ کو نکاح قبول کرنے کا وکیل بنایا تھا، وہ اس وقت مکہ میں قیام پذیر تھیں، حضرت ابو رافعؓ حالت احرام میں تھے، یا حلال تھے، اس بارے میں اختلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ۸ھ کو مقام سَرِف میں، ان کے ساتھ شب باشی فرمائی، وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان ہی کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے مرض کی ابتدا ہوئی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے، حضرت میمونہؓ سے عمرۃ القضاء کے سال نکاح فرمایا

(۱) سورۂ تحریم، آیت: ٤.

تھا، یہ سنہ ۷ ہجری کا واقعہ ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی باری متعین نہیں فرمائی تھی۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت سودہؓ کی باری متعین نہیں تھی، غالبًا یہ ان کی خوشی سے تھا، جیسا کہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں، ان ہی کا انتقال ہوا۔

ہفتم: صفیہ بنت حیی بن اخطبؓ، بنو نضیر کے قیدیوں میں سے تھیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منتخب فرمایا تھا، پھر آزاد کر کے ۷ھ میں نکاح فرمایا۔ ان ہی کو زینب بنت حارث بن سلام یہودیہ نے، زہر آلود بکری ہدیہ میں بھیجی تھی، جس میں سے رسول اللہ ﷺ نے نوش فرمایا تھا۔

چوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے ان کو منتخب فرمایا تھا، اسی وجہ سے ان کا نام صفیہ رکھ دیا تھا، ایک قول یہ ہے کہ صفیہؓ نام پہلے سے ہی تھا۔

ہشتم: جویریہ بنت حارثؓ ہیں، یہ بھی قبیلہ بنی المصطلق کی شاخ خزاعہ میں سے تھیں، غزوہ مریسیع میں قیدی بنالی گئیں، یہ گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر قرار دیا تھا، ابوداؤد میں مذکور ہے کہ وہ آپ [ﷺ] کے پاس مدد کے لئے حاضر ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بدل کتابت کو میں ادا کر دوں گا، اور تم سے نکاح کر لوں گا، وہ فرماتی ہیں: میں نے قبول کر لیا۔ جب حضور [ﷺ] سے میرے نکاح کی خبر لوگوں کو معلوم ہوئی، تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے رشتۂ نکاح کی عزت کی خاطر، تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا، وہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بابرکت عورت تھیں، کہ ان کی وجہ سے بنو المصطلق کے، سوگھرانوں سے زیادہ لوگ آزاد کر دئے گئے۔

نہم: زینب بنت جحشؓ ہیں، ان کے والد کا نام مُرّہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام

تبدیل کر کے جحش رکھا۔ ابن اثیر نے اپنی جامع میں ازواج کی ترتیب میں، حضرت عائشہؓ سے ابتدا فرمائی ہے، پھر حضرت حفصہؓ، پھر ام سلمہؓ پھر زینبؓ پھر ام حبیبہؓ، پھر صفیہؓ، پھر جویریہؓ، پھر سودہؓ، پھر میمونہؓ۔ یہ ترتیب ان کی فضیلت کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ صاحب مطلب نے دعوی کیا ہے، نکاح میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے نہیں ہے۔

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے، حضرت خدیجہ سے نکاح فرمایا، پھر حضرت عائشہؓ سے، مشہور روایت کے مطابق، پھر حضرت سودہؓ سے، پھر حضرت حفصہؓ سے، پھر ام حبیبہؓ سے، پھر حضرت ام سلمہؓ سے، پھر زینب بنت جحشؓ سے، پھر حضرت میمونہؓ سے، پھر حضرت جویریہؓ سے، پھر حضرت صفیہؓ سے۔ حضرت حفصہؓ سے ۳ھ میں نکاح فرمایا، زینب بنت خزیمہ ہذلیہ سے بھی ۳ھ میں نکاح فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ سے ۴ھ میں، زینب بنت جحشؓ سے ۵ھ میں، حضرت ام حبیبہؓ سے ۶ھ میں، رخصتی ۷ھ میں ہوئی۔ حضرت جویریہؓ سے ۶ھ میں، حضرت میمونہؓ اور حضرت صفیہؓ دونوں سے ۷ھ میں۔

دوسرا مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، تمام مؤمنین کی مائیں ہیں، جیسا کہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ مجاہد کی قرأت میں: ''**هُو ابٌ لَهُم**'' ہے کہ، رسول اللہ ﷺ تمام مؤمنین کے باپ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ ابی ابن کعب کی قرأت ہے۔

امام شافعی مختصر میں، ایک معنی بیان کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات سے نکاح، کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ مگر آپ ﷺ کی صاحبزادیوں سے، نکاح کرنا حرام نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے، اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کرایا ہے، جو تمام مؤمنین کی بہنیں ہیں، ایسا ہی امام شافعی نے کتاب الام میں بھی لکھا ہے۔ قُضاعی نے اس کو حضور [ﷺ] کے ساتھ خاص کیا ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت نہیں ہے، آپ ﷺ کی عظمت کی وجہ سے نکاح میں یہ حرمت ہے۔

اور امہات المؤمنینؓ پر نظر ڈالنے کے جواز میں، **کتاب الحاوي** میں دو قول مذکور ہیں: مشہور قول ممنوع ہونے کا ہے، رافعی نے اسی پر وثوق ظاہر کیا ہے، ان کے ماں ہونے کا حکم، خلوت کے جائز ہونے یا سفر کرنے میں ثابت نہیں۔ اور نہ یہ حکم نفقہ اور میراث میں ہے۔ یہ حکم ازواج مطہرات کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کو، تمام مؤمنین کی نہ بہنیں کہا جائے گا، اور نہ ان کے بھائیوں کو مومنین کے چچا اور ماموں اور بہنوں کو، تمام مؤمنین کی پھوپھی اور خالہ کہا جائے گا، اس اعتبار سے حضرت معاویہؓ مؤمنین کے ماموں نہیں ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ان کی بیٹیوں بہنوں اور بھائیوں سے، مؤمن مردوں اور عورتوں کا نکاح کر لینا، حرام نہیں ہے۔

حضرت زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کی بہن سے اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے، زینب کی بہن حمنہ سے نکاح کیا۔ ایسے ہی ان کے ماں باپ کو بھی، مؤمنین کے نانا، نانی نہیں کہا جائے گا، بلکہ جو احکام ازواج کے آئے ہیں، مسئلہ ان ہی تک محدود رہے گا۔

امام رافعی نے نقل کیا ہے کہ (خؤ ولہ کا لفظ) یعنی ننھیالی رشتہ، اسی طرح اخوت کا رشتہ ماں کے رشتہ کے ثبوت کی وجہ سے چل پڑا ہے، اگرچہ یہ (ننھیالی اور اخوت کا رشتہ) حرمت نکاح کو ثابت نہیں کرتا۔ امام بغوی کہتے ہیں کہ وہ مردوں کی مائیں ہیں، عورتوں کی نہیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، کہ ایک عورت نے ان کو پکارا: ''**یا أماه**'' اے ماں! تو انہوں نے جواب دیا، میں تمہاری ماں نہیں ہوں، میں تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔

یہ بات ہمارے علماء کے نزدیک صحیح ہے کہ عورت، مردوں کے خطاب میں داخل نہیں ہوتی، امام بغوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مردوں اور عورتوں سب کے باپ تھے، حالانکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو مؤمنین کا باپ کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے:

"مَا كَانَ مُحَمَّد أبا أحدٍ مِّن رِجَالِكُم"(۱)

محمد ﷺ باپ نہیں کسی کا، تمہارے مردوں میں سے۔

شافعی نے جواز پر نص قائم کی ہے کہ رسول اللہ[ﷺ] احتراماً، مؤمنین کے باپ ہیں۔

آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ تم میں سے کسی کے صلبی باپ نہیں ہیں، جیسا کہ روضہ میں مذکور ہے۔

تیسرا مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، یہ رافعی کے الفاظ ہیں۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت خدیجہؓ کی افضلیت کا اختلاف گذر چکا ہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُضَاعَفْ لَهَا العَذَابُ .(۲)

اللہ اس کے عذاب کو دوگنا کردیں گے۔

مقاتل کہتے ہیں، کہ اگر وہ چوری کرنے میں کامیاب ہوگئیں تو عذاب دوگنا نہیں دیا جائے گا، بلکہ دوحدیں جاری کی جائیں گی۔ کفارات میں دو کفارے دینے ہوں گے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ایسے ہی جس نے ان کو تہمت لگائی، تو اس کو دنیا میں دوگنی تکلیف دی جائے گی، اور ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جاویں گے، ماوردی کہتے ہیں کہ میں نے، اس سلسلہ میں، امام شافعی کی واضح روایت نہیں دیکھی۔

فرع: کسی مسلم کے لئے جائز نہیں، کہ ازواج مطہرات سے (سامنے آکر) سوال کرے پردہ کے پیچھے سے کرسکتا ہے، جیسا کہ قرآن میں صراحت ہے:

(۱) الأحزاب، آیت: ۴۰.

(۲) الأحزاب، آیت: ۳۰.

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْئَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُم أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُم.(۱)

اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی، تو مانگ لو پردے کے باہر سے، اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دلوں کی۔

اگر ازواج مطہرات کے علاوہ کسی سے سوال کرنا ہو، تو منہ در منہ سوال کر سکتے ہیں، امام نووی نے روضہ میں اسی پر اعتماد ظاہر کیا ہے، امام رافعی نے بغوی سے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کا پردہ، ازواج مطہرات کے لئے خاص طور پر تھا، ان کے لئے چہرہ اور ہاتھوں کا کھولنا، نہ گواہی کے لئے جائز تھا، نہ کسی اور مقصد کے لئے، ان کے لئے یہ بھی جائز نہ تھا، کہ پردہ میں بھی، اپنے وجود اور جسامت اور بدن کو بھی ظاہر کریں۔

کہتے ہیں کہ وہ جب لوگوں کی مجلس میں جاتیں تو پردہ کے پیچھے بیٹھتیں، اگر گھروں سے نکلتیں، تو اپنی شخصیت کو چھپا کر نکلتیں، جیسا کہ حضرت حفصہؓ کے بارے میں آیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے روز (وہ پردہ کے ساتھ نکلیں تھیں) جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوگیا، تو لوگوں نے ان کی نعش کے اوپر، ایسا انتظام کردیا تھا کہ ان کا جسم ظاہر نہ ہو۔ امام نووی نے اسی قول کو اپنی شرح مسلم میں اختیار کیا ہے۔ ہم عنقریب عورتوں کے بول و براز کے لئے، نکلنے کے مباح ہونے کے عنوان میں [اس کا] ذکر کریں گے۔

دوسری قسم، رسول اللہ ﷺ کی نکاح کے علاوہ، خاص فضیلت کے بیان میں ہے

اس میں چند مباحث ہیں:

پہلا: یہ کہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں، حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی، رسول اللہ ﷺ

(۱) سورۂ أحزاب، آیت: ۵۲

کے تابع ہوکر نازل ہوں گے، [حضرت عیسیٰ علیہ السلام] رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو نافذ کرنے والے اور اسی کے مطابق عمل کرنے والے ہوں گے۔

دوسرے: یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی امت، تمام امتوں میں بہترین امت ہے، یہ امتِ معصومہ ہے، جو کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔

تیسرے: صحیح قول کے مطابق، اس امت میں اجماع حجت ہے، اس کے علاوہ دوسری امتوں کا اجماع، اکثر علماء کے نزدیک حجت نہیں ہے، استاد ابواسحاق نے اس قول سے اختلاف کیا ہے۔ آمدی کہتے ہیں کہ اس بارے میں توقف کرنا بہتر ہے۔

چوتھے: رسول اللہ ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لئے ہے اور پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے۔

پانچویں: یہ کہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم میں اعجاز پایا جاتا ہے، دوسرے نبیوں کی کتابوں میں یہ بات نہیں۔ قرآن کریم ہر قسم کے ردوبدل سے محفوظ ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی، لوگوں کے سامنے معجزہ بن کر قائم [رہا ہے اور] رہے گا، جبکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کی وفات کے ساتھ ختم ہوگئے۔

چھٹے: رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے رعب عطا فرما کر مدد کی، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو، ایک ماہ کی مسافت کی دوری سے رعب دیا گیا تھا۔ ہم نے سائب بن اخت نمر سے روایت کیا ہے:

فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِخَمْسٍ. (۱)

مجھے دوسرے انبیاء پر پانچ چیزوں میں فوقیت دی گئی۔

(۱) صحيح البخاري ۱/۶۲ كتاب الصلوٰة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجدا وطهوراً (۱/۸۰) رقم: ۴۳۸.

ان میں سے ایک رعب ہے (ایک ماہ کی مسافت کی دوری سے، دشمن مرعوب ہو جاتا تھا) حضور [علیہ السلام] نے فرمایا، رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے، ایک ماہ آگے کی مسافت اور ایک ماہ پیچھے کی مسافت کی دوری سے۔

ساتویں: رسول اللہ ﷺ کی رسالت، تمام جن وانس کو عام ہے، جب کہ ہر اک نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، حضرت نوح [علیہ السلام] کی رسالت، طوفان کے بعد عام ہوگئی تھی، اس لئے کہ کل انسان وہی [بچے] تھے، جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں باقی رہ گئے تھے۔ طوفان سے پہلے رسالت عام تھی یا خاص تھی، اس میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ پہلے بھی رسالت عام تھی، اسی وجہ سے مخالفت کرنے پر تمام کو عذاب دیا گیا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رسالت بھی اپنی قوم کے لئے خاص تھی۔

آٹھویں: رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے، روئے زمین کو سجدہ کرنے کی جگہ اور پاک بنا دیا گیا۔

نوویں: رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے، مال غنیمت کو حلال قرار دیدیا گیا، اس امت سے پہلے، کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں تھا بلکہ وہ لوگ مال غنیمت کو جمع کر کے (کسی پہاڑی وغیرہ) اونچی جگہ پر رکھ دیتے تھے، آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا جاتی تھی، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ایک نبی کے متعلق حدیث ہے، جنہوں نے جنگ لڑی، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سورج کو روکے رکھا۔

دسویں: رسول اللہ ﷺ کی امت کو تمام امتوں پر گواہ بنا دیا گیا، تا کہ وہ تمام امتوں کے رسولوں کی رسالت کی گواہی دے، کہ انہوں نے اللہ کے احکام کو پہنچایا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ الآية. (۱)

(۱) سورة البقرة، آیت: ۱۴۳.

اور اسی طرح کیا، ہم نے تم کو امت معتدل تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر۔

گیارہویں: رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ، امت کے بہترین اشخاص ہیں، وہ اپنے سے بعد میں آنے والے تمام لوگوں سے افضل ہیں، خواہ وہ عمل اور علم میں، صحابہؓ سے کتنا ہی آگے کیوں نہ نکل گیا ہو۔ ابن عبدالبر نے اس کی مخالفت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ بعد میں بھی بعض ایسے اشخاص آئے ہیں، جو بعض صحابہؓ سے افضل ہیں، صحابہؓ میں سب سے افضل، حضرت ابوبکر صدیقؓ، ان کے بعد عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ اور پھر باقی عشرہ مبشرہؓ ہیں۔ [رضی اللہ عنہم اجمعین]

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ صحابہؓ جن کی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں وفات ہوئی، وہ ان صحابہ سے افضل ہیں، جن کا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد، انتقال ہوا، افضل ہیں۔

بارہویں: نماز اور جنگوں میں اس امت کی صفوں کو، ملائکہ کی صفوں کی طرح بنایا گیا۔

تیرہویں: رسول اللہ ﷺ کو کئی سفارشیں کرنے کا حق [عطا فرمایا] ہے، سب سے پہلی شفاعت عظمیٰ ہے، جو تمام اولین و آخرین کے درمیان ہوگی، جب تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس سے آکر رسول اللہ ﷺ سے گذارش کریں گے، جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ دوسری سفارش ان کے لئے ہوگی جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ تیسری سفارش ان لوگوں کیلئے ہوگی، جو جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ چوتھی سفارش ان لوگوں کے لئے ہوگی جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے، پھر ان کو نکالا جائے گا۔ پانچویں سفارش جنت والوں کے درجات بلند کرنے کے لئے ہوگی پہلی اور دوسری سفارش رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہے۔

امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے، تیسری اور پانچویں بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہو، مگر چوتھی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسرے انبیاء علیہم السلام، شہداء اور صلحاء وغیرہ بھی شریک ہوں گے۔ ساتویں سفارش جیسا کہ صحیح مسلم میں آیا ہے، اس کے لئے ہوگی جو مدینہ میں انتقال کر گیا ہو۔

چودہویں: رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے ہوں گے، رسول اللہ ﷺ ہی پہلے وہ شخص ہوں گے، جن کی سفارش قبول کی جائے گی، رسول اللہ ﷺ دو سفارشیں کریں گے، دوسری سفارش، پہلی سفارش سے پہلے قبول کر لی جائے گی۔

پندرہویں: رسول اللہ ﷺ کی قبر قیامت کے روز سب سے پہلے کھولی جائے گی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: میں دیکھوں گا کہ موسیٰ [علیہ السلام] عرش کو پکڑے کھڑے ہیں، میں نہیں جانتا کہ ان پر بھی غشی طاری ہوئی ہو، مجھ سے پہلے افاقہ ہوگیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ [علیہ السلام] کو ان لوگوں میں شامل فرمایا ہو، جو غشی سے مستثنیٰ ہیں۔ قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو اس وقت تک اس کا علم نہ دیئے جانے پر محمول کی جائے گی کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کو علی الاطلاق سب سے پہلے کھولا جائے گا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ، رسول اللہ ﷺ اس زمرے اور جماعت میں شامل ہیں، جس کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اسی زمرے اور جماعت میں شامل ہوں۔ (۱)

سولہویں: رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے، جنت کے دروازے پر دستک دیں گے۔

سترہویں: بخاری اور مسلم میں ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ بلا استثناء، تمام انسانوں کے سردار ہوں گے جیسا کہ روضہ میں ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ:

لاتَفضّلوني على يونس بن متّى

مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو،

(۱) صحیح البخاری ٦/ ٤٣٠

یہ تواضع کی وجہ سے ہے، فضیلت کا مطلب یہ ہے، کہ مجھے ان پر یا کسی اور نبی علیہ السلام پر، اس طرح فوقیت وفضیلت نہ دو کہ جس سے دوسرے کی تحقیر لازم آئے۔

اٹھارویں: رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے والے، تمام انبیاء کا اتباع کرنے والوں سے مجموعی طور پر، زیادہ ہوں گے۔

انیسویں: بخاری میں معراج والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دل کبھی نہیں سوتا، اسی طرح دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کا دل بھی نہیں سوتا تھا۔

بیسویں: جس طرح سول اللہ ﷺ اپنے سامنے سے دیکھتے، اسی طرح اپنی پیٹھ پیچھے سے بھی دیکھتے تھے۔ زاہدی مختار بن محمود، شارح قدوری اور قنیہ کے مصنف نے، اپنے رسالہ ناصرہ میں ایک نادر بات کہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان سوئی کے ناکہ کے برابر دو آنکھیں تھیں، رسول اللہ ﷺ ان سے بھی دیکھتے تھے، کپڑے، اس دیکھنے میں رکاوٹ نہیں تھے (ایسا نہیں تھا کہ کپڑے پہننے کی وجہ سے نظر نہ آئے بلکہ نظر اس میں سے بھی گزر کر جاتی تھی) اس رسالہ میں یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ایک ہزار معجزات ظاہر ہوئے اور ایک قول کے مطابق تین ہزار معجزے ظاہر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ، اونٹ کے کوہان پر کھجور کا درخت اُگا، اور اس میں اسی وقت پھل بھی آ گیا اور جو لوگ موجود تھے انہوں نے وہ پھل کھایا، پھر اللہ تعالیٰ کو جسے ایمان دینا منظور تھا، اس کا پھل میٹھا نکلا، جس کو ایمان دینا منظور نہیں تھا، اس کے منہ میں وہ پھل پتھر بن گیا۔

اکیسویں: رسول اللہ ﷺ کا بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا، اجر وثواب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے برابر ہے، اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی بڑا عذر بھی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے ہر اک شخص کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے پر آدھا اجر ہے، یہ صاحب تلخیص امام بغوی اور امام رافعی کا

خیال ہے، مگر قفال نے اس کا انکار کیا ہے لیکن ان کو شاید اس وقت مسلم کی حدیث جو عمرو بن عاص سے منقول ہے، یاد نہیں رہی، جس میں فرماتے ہیں کہ، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا آدھی نماز ہے اور خود حضرت والا بھی بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أجَلْ، وَلٰكِنِي لَسْتُ كأحدٍ مِّنكُم.(۱)

بلاشبہ بالکل میں نے ایسا ہی کہا تھا مگر میرا معاملہ عام امتی کی طرح نہیں، اس لئے کوئی حرج نہیں (کہ میں نماز کھڑے ہو کر پڑھوں یا بیٹھ کر، میرے لئے درجہ اور ثواب برابر ہے) امام نووی نے روضہ میں پہلے قول کو مختار کہا ہے اور قضاعی نے اس کو آپ ﷺ کے ہی ساتھ خاص کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں دوسرے انبیاء شریک نہیں۔

بائیسویں: ہر نماز پڑھنے والا رسول اللہ ﷺ کو:

اَلسَّلامُ عَلَيكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

کہہ کر مخاطب کرتا ہے، دنیا کے کسی انسان کو نماز میں مخاطب نہیں کیا جاتا۔

تیئیسویں: رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی کو آواز بلند کرنا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے:

”یاایُّها الذِینَ آمَنوا لاتَرفَعُوا أَصْوَاتكُم فَوقَ صَوتِ النَّبِيِّ“(۲)

(۱) مسلم ۲۵۳/۱ (۳۳۲/۱) کتاب الصلوۃ، باب جواز النافلۃ قائماً وقاعداً. رقم: ۷۳۵.
(۲) سورۂ حجرات آیت: ۲

اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں، نبی کی آواز سے اوپر

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کو، گھر سے باہر بلانے کے لئے، آواز دیکر بلانا جائز نہیں تھا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَايَعْقِلُونَ الآية. (۱)

جولوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار سے پیچھے سے، وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

قرطبی کہتے کہ "لاتجهروا له بالقول" کے معنی یہ ہیں کہ یامحمد اور یااحمد کہہ کر نہ پکارو، بلکہ عظمت واحترام کے ساتھ، یانبی اللہ یارسول اللہ ﷺ کہو۔

چوبیسویں: رسول اللہ ﷺ کا نام نامی لیکر پکارنا جائز نہیں بلکہ یانبی اللہ، یارسول اللہ [ﷺ] کہہ کر مخاطب کرنا چاہئے، اس حدیث کی وجہ سے، جس کو حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے۔

پچیسویں: رسول اللہ ﷺ کے بال اور پیشاب اور خون، یہ تمام فضلات، ہمارے علماء کے ایک قول کے مطابق پاک تھے، جب کہ تمام انسانوں کے بال وغیرہ ناپاک ہیں، اسی قول کو اختیار کرنا بہتر ہے، کیونکہ قاضی حسین نے ہمارے علماء [شوافع] سے اسی کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔ امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ، ان سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی، یہی سہیلی اور رافعی کہتے ہیں، اس حدیث کی وجہ سے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جوف مبارک کو، سونے کے طشت میں رکھ کر، برف سے دھویا گیا تھا، [اس سے] آنحضرت ﷺ کا خون اور پیشاب پاک ہوگئے تھے۔

رافعی نے ابوجعفر ترمذی سے، آپ ﷺ کی ہر چیز کے پاک ہونے کی روایت نقل کی ہے۔ لیکن ماوردی نے اپنی کتاب حاوی میں لکھا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کے بال اور خون

(۱) سورۂ حجرات آیت: ٤.

پاک تھے۔ اس لئے کہ وہ اصل خلقت پر پیدا ہوئے تھے اور بول وبراز ناپاک تھے، کیونکہ وہ کھانے کے فضلات ہیں۔

چھبیسویں: رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں، جس کسی نے بھی آپ کی اہانت کی یا آپ کی موجودگی میں زنا کیا، تو وہ کافر ہوجاتا تھا، امام رافعی نے اس پر اعتماد ظاہر کیا ہے، امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے، کہ زانی کے کافر ہونے کا مسئلہ قابل غور ہے۔

ستائیسویں: اگر رسول اللہ ﷺ کسی کو آواز دیں، اگر وہ نماز بھی پڑھ رہا ہو، تو [اس کے لئے] فوراً جواب دینا واجب تھا، اس سے [ان کی] نماز بھی باطل نہیں ہوتی تھی، حضرت ابوسعید بن معلیٰؓ کے اس قصہ کی وجہ سے، جو بخاری میں ہے حضرت ابیؓ کا قصہ ترمذی میں ہے، ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ نماز باطل ہوجائے گی مگر یہ قول ناقابل توجہ ہے۔ قضاعی نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص کیا ہے، اس میں دوسرے انبیاء علیہم السلام شریک نہیں۔

اٹھائیسویں: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کی اولاد کو، کفو وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب کیا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ، کسی کی بیٹیوں کی اولاد کو اس طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، کہ قیامت کے دن تمام حسب ونسب منقطع ہوجائیں گے، سوائے میرے حسب ونسب کے، اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کی تصحیح بھی کی ہے، اسی طرح طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ کا ارادہ کیا، تو حضرت حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

فَقُلْ تَعَالَوا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَائَكُم. (۱)

تو، تو کہہ دے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹوں کو۔

(۱) سورۂ آل عمران آیت: ٦١.

ایک دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے لئے فرمایا تھا ''إنَّ ابني هذا سيد''. (۱) میرا یہ بیٹا سردار ہے۔

پھر اسی طرح ایک مرتبہ جب حضرت حسنؓ نے بچپن میں، رسول اللہ ﷺ کے اوپر، پیشاب کردیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: '' لاتـزرمُوا ابني هذا'' میرے بیٹے کو کچھ مت کہو۔

رافعی نے تلخیص میں اس کو بیان کیا ہے مگر قفال نے اس کا انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بیٹی کی اولاد کو، رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنے میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

انتیسویں: بخاری و مسلم میں، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ کی صحیح حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت پر کنیت مت رکھو۔ (۲)

امام شافعی کہتے ہیں کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز نہیں، خواہ اس کا نام محمد ہو یا نہ ہو۔

رافعی کہتے ہیں، کہ بہت سے علماء نے نام اور کنیت دونوں کے جمع کرنے کو مکروہ کہا ہے، اگر صرف نام یا صرف کنیت رکھی جائے، تو جائز ہے، کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ یہی صحیح ہو، اس لئے کہ لوگ ہر زمانہ میں بلا انکار، کنیت رکھتے رہے ہیں، مگر امام نووی نے روضہ میں کہا ہے کہ یہ تاویل اور دلیل ضعیف ہے، صحیح قول امام مالک کا ہے۔

امام مالک کی رائے یہ ہے کہ جس کا نام محمد ہو اور جس کا نہ ہو، دونوں کے لئے ابوالقاسم کنیت رکھنا درست ہے، [اس کی] ممانعت رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ تک تھی۔ ممانعت کی

(۱) أخرجه البخاري في كتاب الفتن ۲/۱۰۵۳ باب قول النبي صلى الله عليه وسلم بأن النبي هذا سعيد(۹/۴۷) رقم: ۷۱۰۹.

(۲) أخرجه البخاري في كتاب المناقب ۱/۵۰۱ باب كنية النبي صلى الله عليه وسلم(۱۴۹/۴) ۳۵۳۸. ۳۵۳۹.

وجہ یہ تھی کہ، یہودیوں نے بھی اپنی کنیت ابوالقاسم رکھنی شروع کردی تھی، رسول اللہ ﷺ کو پریشان کرنے کے لئے، اپنے آدمیوں کو ابوالقاسم کہہ کر آواز دیا کرتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ متوجہ ہوتے، تو کہتے کہ ہم آپ [ﷺ] کو آواز نہیں دے رہے ہیں، اس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا، اس لئے اب یہ نام اور کنیت دونوں رکھنے جائز ہیں۔

یہی رائے امام غزالی نے احیاء میں علماء سے نقل کیا ہے، امام نووی نے روضہ میں کہا ہے کہ رافعی کی بات کمزور ہے، علامہ نووی نے اپنی کتاب الاذکار میں جو یہ کہا ہے یہ قابل غور ہے۔ رافعی کی یہ روایت ضعیف ہے اور اصل حدیث کے مخالف ہے۔ یہ تو صحیح مرفوع حدیث کے عین مطابق ہے۔ امام احمد ابوداؤد اور ترمذی نے، حضرت جابرؓ کی حدیث ابوالزبیر کے واسطہ سے روایت کی ہے:

مَنْ تَسَمَّى بِإِسْمِي فَلايَتَكَنّى بِكُنّيَتِي وَمَن تكنّى بِكُنّيتِي فَلا تُسمّى بِإِسْمِي. (۱)

جو میرے نام پر نام رکھے وہ میری کنیت نہ رکھے، جو میری کنیت پر کنیت رکھے وہ میرا نام نہ رکھے۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس کی تخریج کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، ابن حبان اور ابن السکن نے بھی اس کو صحیح کہا ہے، ہمارے بڑے علماء میں سے، ابوحاتم بن حبان کا بھی یہی فیصلہ ہے، انہوں نے اپنی صحیح میں اس کی وضاحت کی ہے، لیکن دوسرے علماء

(۱) سنن ترمذی ۲/۱۱. كتاب الأدب، باب ماجاء في كراهية الجمع بين إسم النبي وكنيته(۵/۱۲۴) رقم: ۲۸۴۲. مجمع الزوائد (۴۸/۸)

[ان سے] الگ ہوگئے ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نام پر نام رکھنے اور کنیت استعمال کرنے کو، ہر حال میں منع کیا ہے۔ اس کو شیخ زکی الدین منذری نے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ ممانعت منسوخ ہے، میں یہ کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''الصبر'' نسخہ، مصنف کے آخر میں: محمد بن طلحہ کی رضاعی ماں کی روایت نقل کی ہے، ان سے عیسی بن طلحہ نے نقل کیا ہے۔ کہتی ہیں کہ جب محمد بن طلحہ پیدا ہوئے، تو ہم ان کو لیکر، رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ، اس کا کیا نام رکھا؟ ہم نے عرض کیا محمد نام رکھا ہے۔ فرمایا کہ یہ میرا نام ہے اور ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ اگر یہ [روایت] صحیح ہے تو یہ واقعہ نسخ سے پہلے کا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے، کہ ایک بڑی جماعت نے اپنے لڑکوں کا نام محمد اور اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی ہے، ان میں سے بعض نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بھی پایا ہے، انہی لوگوں میں سے ابوالقاسم محمد بن حنفیہ کے واسطہ سے روایتیں بھی منقول ہیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ارشاد ہے، اگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد میرے بیٹا پیدا ہو، تو کیا میں اس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھ لوں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رکھ لینا۔ کہتے ہیں کہ یہ اجازت میرے لئے تھی۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ، میرے بعد ایک لڑکا پیدا ہوگا، میں نے اس کا نام اپنے نام پر، اس کی کنیت اپنی کنیت پر رکھ دی، مگر ان کے بعد پھر کسی امتی کے لئے یہ نام اور کنیت رکھنا جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح ابوالقاسم محمد بن ابی بکر صدیقؓ اور محمد بن طلحہ بن عبیداللہ ہیں، اور محمد بن سعد بن ابی وقاص ہیں، اور محمد بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، اور محمد بن جعفر بن ابی طالب ہیں، محمد بن حاطب بن ابی بلتعہ ہیں، محمد بن اشعث بن قیس ہیں ان سب کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ انہی لوگوں میں

محمد بن المنذر کا نام بھی ہے ان کا تذکرہ حمید بن زنجویہ نے کیا ہے۔ (۱)

ابن صلاح نے اپنی کتاب الفوائد میں ابن سراقہ فقیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے چار کنیتیں ابوعیسیٰ، ابوالحکم، ابومالک رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور جس کا نام محمد ہو اس کو ابوالقاسم کنیت رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

تیسویں: رسول اللہ ﷺ کے لئے ہدیہ حلال تھا، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ، دوسرے حکام اور امراء کو رعایا سے ہدیہ لینا جائز نہیں۔ اس کو امام نووی نے روضہ میں ذکر کیا ہے، قضاعی نے عیون المعارف میں، رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہ کریں اور نہ ہی اس سے مدد چاہیں مگر قضاعی کے قول میں اشکال ہے۔

اکتیسویں: رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم عطا فرمائے گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کو سورۂ بقرہ کی آخری چار آیات، عرش کے خزانوں میں سے دی گئیں، جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے اور نہ بعد میں کسی کو دی گئیں۔

ہروی کہتے ہیں کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن کریم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کم الفاظ میں زیادہ معانی رکھ دیئے۔ رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی جامع ہوتا تھا (جس میں کم سے کم الفاظ میں بے شمار معانی چھپے ہوئے ہیں)

بتیسویں: رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام سے دنیا کے آخری انسان تک تمام مخلوق پیش کی گئی، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے تھے۔ یہ عراقی نے شرح مہذب میں تحریر کیا ہے۔

---

(۱) یہ اضافہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی تلخیص میں شامل ہے مگر علامہ ابن الملقن کی اصل کتاب کے مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں، ممکن ہے ملخص حضرت مفتی الٰہی بخش نے جس قدیم و معتبر نسخہ سے استفادہ کیا، یہ عبارت اس میں موجود ہو۔ واللہ اعلم [نور]

تینتیسویں: رسول اللہ ﷺ کی ظہر کے بعد کی دو رکعت فوت ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد ان کی قضا کی، پھر ہمیشہ عصر کے بعد دو رکعت ادا فرماتے رہے۔ امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ، عصر کے بعد کی مداومت، رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی، لیکن شیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے، حضرت تمیم داری کی حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت تمیم داری بھی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان دو رکعتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ اس کی سند اس طرح ہے:

"یحییٰ بن بكير عن الليث عن أبي الأسود، عن عروة، عن تميم الداري"

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ اس تحقیق شدہ قول میں تردد ہے۔

چونتیسویں: انبیاء علیہم السلام کے لئے جنون ممکن ہی نہیں، ہاں اغماء، یعنی عارضی بیہوشی طاری ہوسکتی ہے جیسا کہ رافعی کہتے ہیں، قاضی حسین نے نقل کیا ہے کہ بیہوشی بھی ایک دو ساعت کی ہوسکتی ہے۔ مہینہ دو مہینہ، لمبے وقت کی نہیں۔ ایسی بے ہوشی تو جنون کی طرح ہے۔ مشہور یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے احتلام بھی نہیں تھا، جیسا کہ روضہ میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ طبرانی میں ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے:

مَااحتلَمَ نَبِي قَط إِنَّماالإِحْتِلامُ مِنَ الشَّيطن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا، اس لئے کہ احتلام تو شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔

مگر ابن دحیہ نے اپنی کتاب آیات بینات میں، اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

پینتیسویں: جس نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، اس نے رسول اللہ ﷺ ہی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان رسول اللہ ﷺ کی صورت نہیں اختیار کرسکتا، جیسا کہ اس صحیح حدیث

سے ثابت ہوتا ہے، جو حضرت انسؓ سے روایت ہے:

مَنْ رَآني فِي المَنَام فَقدر آني.(۱)

قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خواب سچا ہے، اس کو کوئی واہمہ نہیں ہوا ہے۔ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو حقیقتاً دیکھا، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ حدیث کے معنی یہ مراد لئے جاویں گے کہ اگر اس نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو، اسی معروف صفت میں دیکھا، جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھی، تو اس نے حقیقتاً دیکھا، اگر اس نے اس مشہور صفت کے خلاف دیکھا، تو اس خواب کی تاویل کی جائے گی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، اس نے حقیقتاً رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان رسول اللہ ﷺ کی ہیئت اختیار کرنے سے روک دیا گیا ہے، خواب میں بھی اور جاگتے ہوئے بھی، کہ وہ خواب میں آکر جھوٹ نہ بولے، یہ رسول اللہ ﷺ کے اکرام کی وجہ سے ہے۔ جب یہ بات ظاہر ہوگئی، تو اب اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھ کر ایسی کوئی بات سنے جو شریعت کے [ظاہری منصوص] احکام کے خلاف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ دیکھنے والے کا حافظہ اس کو ضبط نہ کرسکا ہو، یہ خواب میں شک کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ ضبط کرنے والے کی خبر معتبر مانی جاتی ہے، اور سونے والا مکلّف نہیں ہوتا۔

قاضی حسین [شافعی] نے اپنے فتاویٰ میں [رمضان کے روزوں کے مسائل میں] اس کا ذکر کیا ہے۔ امام نووی نے روضہ کے زوائد میں، اوائل نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات پر کلام کرتے ہوئے اسی پر اعتماد ظاہر کیا ہے۔ قاضی عیاض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، امام نووی نے بھی شرح مسلم میں:

(۱) صحيح البخاري ۲/۱۰۳۶، كتاب الرقاق، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام (۹/۲۹) رقم: ۶۹۹۴.

"بَابُ بِيَانِ أَنَّ الإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ"

کے تحت ہمارے علماء سے نقل کیا ہے، کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جو چیز شریعت میں ثابت ہے، وہ کسی کے خواب سے بدلی نہیں جائے گی۔ پھر کہا ہے کہ یہ اس خواب کے متعلق ہے، جس میں شریعت کے کسی حکم میں تبدیلی کا ذکر ہو، ایسے خواب کی تاویل کی جائے گی۔

اگر خواب میں دیکھا کہ [خواب دیکھنے والے یا کسی اور شخص کو] ایسے کام کا حکم دیا گیا ہے، جو مستحب ہے، یا ایسے کام سے روکا گیا ہو جس سے شریعت میں روکا جاتا ہے، یا کسی مصلحت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، تو اس پر عمل کرنا بالاتفاق مستحب ہے، اس لئے وہ حکم صرف خواب کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ وہ اس حکم یا فیصلہ کی تائید ہے جو پہلے سے شریعت میں موجود ہے۔

ہمارے بڑے علماء میں سے حنّاطی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو اسی صفت پر دیکھا، جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں [معتبر ذرائع سے] نقل کی جاتی ہے یا اس نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی مسئلہ معلوم کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے مذہب کے خلاف فتوی دیا، وہ فتوی نص یا اجماع کے خلاف بھی نہیں، تو کہتے ہیں کہ اس فتوی پر عمل کرنے میں دو رائے ہیں: پہلا یہ ہے کہ اس پر عمل کرلے کیونکہ وہ قیاس سے مقدم ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کرے، اس لئے کہ قیاس شریعت میں دلیل ہے، خواب دلیل نہیں، خواب کی وجہ سے دلیل کو نہیں چھوڑا جائے گا، ایسے ہی استاد ابواسحاق اسفرائنی نے، کتاب الجدل میں لکھا ہے، اسی طرح ابن صلاح نے دو قول ذکر کئے ہیں۔ قضاعی نے اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ دوسرے انبیاء کے لئے نہیں ہے۔

چھتیسویں: روضہ میں صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے کہ زمین انبیا علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔

سینتیسویں: رسول اللہ ﷺ پر، جان بوجھ کر جھوٹ بولنا، کبیرہ گناہ ہے، صحیح حدیث میں ہے:

إِنَّ كِذْباً عَلَيَّ لَيسَ كَكِذْبٍ عَلٰى أَحَدٍ. (۱)

مجھ پر جھوٹ بولنا، عام آدمی پر جھوٹ بولنے جیسا نہیں ہے۔

اگر چہ رسول اللہ ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والے کی صحیح قول کے مطابق تکفیر نہیں کی جائے گی، علمائے جمہور اسی کے قائل ہیں، لیکن شیخ ابو محمد کہتے ہیں تکفیر کی جائے گی، اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، اگر اس کا حال [چال چلن] اچھا ہو، تو اس کی روایت بھی قبول کی جائے گی۔ ہمارے علماء میں سے صیرفی وغیرہ کہتے ہیں کہ فسق اور شہادت کے اصول کے برخلاف اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

اڑتیسویں: ماوردی اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے لئے غلطی کرنا درست نہیں تھا، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے تھا، رسول اللہ ﷺ کے لئے اس لئے درست نہیں تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں، رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، جو رسول اللہ ﷺ کی فروگذاشتوں پر مطلع کر سکے، دوسرے انبیاء میں سے ایک کے بعد دوسرا آنے والا، پہلے کی فروگذاشتوں پر متنبہ کر دیتا تھا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غلطی سے محفوظ فرمایا۔

امام شافعی کہتے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد کبھی خطا نہیں ہوتا تھا، آمدی اور ابن حاجب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے غلطی سرزد کی گنجائش تھی، اگر غلطی پر قائم نہ رہیں۔ آمدی نے اسی قول کو، ہمارے اکثر علمائے حنابلہ، اور محدثین سے نقل کیا ہے، آمدی نے دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

عَفَا اللّٰهُ عَنكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُم الاية. (۲)

(۱) صحیح البخاري ۱/۱۷۲، کتاب الجنائز، باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت، (۲/۷۲) رقم: ۱۲۹۱.
(۲) سورۂ توبہ آیت: ۴۳

اللہ بخشے تجھ کو، کیوں رخصت دے دی تو نے ان کو

نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

مَا كَانَ لِنَبِي أَن يَكُونَ لَهٗ أَسرىٰ.(۱)

نبی کو نہیں چاہئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو

حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا، اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَحْكُم بِالظَّاهِرِ. [۲] میں تو ظاہر پر عمل کرتا ہوں۔

یہ سب آمدی کی دلیلیں ہیں۔

انتالیسویں: رسول اللہ ﷺ کو تمام مسلمانوں کے سلام پہنچائے جاتے ہیں۔ ماوردی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن، تمام انبیاء علیہم السلام کی رسالت کی گواہی دیں گے۔

چالیسویں: ابن سَبُع نے رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں یہ بھی شمار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نور تھے، جب رسول اللہ ﷺ دھوپ یا چاندنی رات میں چلا کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ کا سایہ

(۱) الأنفال، آیت: ٦٧

(۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: روایت کے الفاظ اس طرح مذکور ہیں: "إنّما نحكم بالظّاهر والله يتولّى السّرائر" نیز فرماتے ہیں کہ اس روایت کو مرفوع قرار دینا وہم ہے۔ "التلخيص الحبير" (١٩٢/٤)
لیکن اس روایت کی تائید ام سلمہؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے، جو صحیح بخاری میں ہے:
"عن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما انا بشر وإنكم تختصمون، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، وأقضي له على نحو ما أسمع" صحيح البخاري ١٠٦٢/٢ رقم الحديث: ٧١٦٩، كتاب الأحكام، باب موعظة الإمام للخصوم. (٢٢/٩)

نہیں ہوتا تھا، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، اے اللہ! میرے تمام اعضاء میں نور عطا فرمادے: **وَاجْعَلْ لِي نُوراً.** (۱)

اکتالیسویں: شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آتا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو، یہ دعا سکھائی تھی:

"**أَللّٰهُمَّ إِنِّي أُقسمُ عَلَيْكَ بنَبِيّكَ محمدنَبِيّ الرحمة**"

اے اللہ میں آپ کے سامنے آپ کے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی قسم کھاتا ہوں جو نبی رحمت ہیں۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، اصول یہ ہے اللہ کے علاوہ کسی کی قسم نہیں کھائی جاسکتی، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام، فرشتے، اور اولیاء، اللہ کے مقابلے کسی درجہ میں نہیں ہیں [کہ ان کی قسم کھائی جائے]

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں کہتے ہیں، ہم نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ کتاب الدعوات میں روایت کیا ہے اور کئی طرق سے روایت کیا ہے مگر اس میں "أقسم" نہیں ہے بلکہ "أسئلك" ہے، میں واسطہ دیتا ہوں۔

چند فوائد پر ہم اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اندھیرے میں بھی ایسے ہی دیکھتے تھے جیسا کہ روشنی میں لیکن ابن بشکوال نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، جیسا کہ ابن دحیہ نے اپنی کتاب آیات بینات میں لکھا ہے، امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس حدیث کی تخریج کی

(۱) أخرجه البخاري في كتاب الدعوات. باب الدعاء إذا انتبه من الليل ٢/٩٣٥(٨/٥٩) رقم: ٦٣١٦.

ہے، پھر لکھا ہے کہ اس میں ضعف ہے، پھر عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث کی تخریج کی ہے اور لکھا ہے لَیْسَ بِالقَوِيّ، یہ قوی نہیں ہے۔

روایت کیا گیا ہے کہ زمین رسول اللہ ﷺ کے بول و براز کو نگل لیتی تھی اور اس جگہ بہت اچھی خوشبو پھوٹتی تھی، حضرت عائشہؓ بھی ایسی ہی مرفوع حدیث نقل کرتی ہیں، ابن دحیہ آیات بینات میں کہتے ہیں، کہ یہ حدیث میری سند سے ثابت ہے۔ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، حضرت عائشہؓ سے اس کی تخریج کی ہے اور کہتے ہیں، کہ یہ حدیث حسین بن علوان کی موضوعات میں سے ہے، اس کا احادیث صحیحہ میں تذکرہ صحیح نہیں، حسین بن علوان کا معجزات کے باب میں جھوٹ مشہور ہے، اسی طرح ابن سَبُع کی کتاب الشفا میں ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے قضائے حاجت کے بعد، بول و براز کا کوئی اثر نہیں دیکھا، مگر! اس جگہ پتھروں پر تھوڑی سی تری دیکھی، ان سے بہت عمدہ خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

حضرت انسؓ نے مرفوعاً نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ [میرا تمام انسانوں میں اکرام و مرتبہ یہ ہے] کہ میں مختون پیدا ہوا، کسی نے میری شرم گاہ نہیں دیکھی، ابن جوزی نے اس کو اپنی کتاب "الوفاء" میں نقل کیا ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، ابن دحیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث گڑھی گئی ہے، اگر اس حدیث کی علت بیان نہ کریں، تو قیامت کے دن اس محدث کی گرفت ہوگی۔ اس کا بھی تذکرہ کیا کہ بڑے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آتی تھی، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اس کو مرسلاً روایت کیا ہے۔ کتاب الادب میں تعلیقاً تخریج کی ہے۔ (۱) اور مسلمہ بن عبدالملک نے کہا ہے:

(۱) قال الحافظ في الفتح ۶۱۳/۱۰ ومن الخصائص النبوية ماأخرجه ابن أبي شيبة والبخاري في التاريخ من مرسل يزيد بن الأم قال: ماتثاء ب النّبي ﷺ قط. [دار الفيحاء دمشق]

مَاتَثَاءَ بَ نَبِيٌّ قَطّ وإنّهاعلامةُ النّبوةِ. (۱)

کسی نبی کو کبھی جمائی نہیں آئی، جمائی نہ لینا نبوت کی علامات [میں سے] ہے۔

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی انگڑائی بھی نہیں لیتے تھے، اس لئے کہ وہ شیطان کا عمل ہے، اس کا تذکرہ ابن سبع نے شفا میں کیا ہے (۲)

رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں یہ بھی شمار کیا گیا ہے کہ ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی کر لیا تھا، جیسے ورقہ بن نوفل! بلکہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں، حبیب النجار نامی ایک شخص نے، جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے اور تبع الاکبر نے آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا تھا۔ اور ان کے علاوہ بھی بعض اصحاب نے آپ کا اقرار کر لیا تھا، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اور میں نے: أَعْذَبُ المَورد وأَطيب الموالد" میں دیکھا ہے، آپ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کے مبارک جسم پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی، طبرانی کبیر میں: وَاذْكرربَّكَ إذانَسِيْت کی تفسیر میں حضرت مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے، کہ اگر رسول اللہ ﷺ بات کرتے ہوئے، انشاء اللہ کہنا بھول جائیں اور یاد آنے پر انشاء اللہ کہہ لیں، یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہے، امت کے لئے نہیں ہے، امت کے لئے قسم کے ساتھ انشاء اللہ کہنا ہے۔

ابن شاہین نے ذکر کیا ہے کہ ایمان کے شعبوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی ہر بات

(۱) قال الحافظ في الفتح ۶۱۳/۱۰ وأخرج الخطابي من طريق مسلمة بن عبدالملك بن مروان قال: مَاتَثَاوَبَ نبي قط، وقال: ومسلمة أدرك بعض الصَّحابة وهوصدوق ويؤيد ذلك ماثبت أن التثاؤب من الشَّيطان [دار الفيحاء دمشق.]

(۲) أورده الحافظ في الفتح ۶۱۳/۱۰ بلفظ أنه صلى الله عليه وسلم كان لايتمطى لأنه من الشَّيطان. [دار الفيحاء دمشق]

میں انشاءاللہ کہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے کمزور سند سے مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے کہ اس بندہ کا ایمان کامل نہیں ہوتا، جو ہر بات میں انشاءاللہ نہ کہے۔

ابن القاص نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے تھے:

وَمَایَنطِقُ عَنِ الھویٰ. (۱) اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے

رسول اللہ ﷺ اس کھانے سے روک دئے گئے تھے جو اچانک [بلا توقع واطلاع کے] آجائے۔ ایک مرتبہ حضرت ابودرداءؓ اچانک رسول اللہ ﷺ کے کھانے (کے موقع) پر حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھانے کا حکم دیا۔ امام قضاعی نے ان دونوں مسئلوں میں ابن القاص کی موافقت کی ہے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص کیا ہے، جس میں دوسرے انبیاء علیہم السلام شریک نہیں ہیں۔

اور قضاعی نے اس بات کو اس قسم میں ذکر کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ خاص طور پر لوگوں کے شر سے محفوظ کردئے گئے، اسی طرح آپ ﷺ مہلک بیماریوں سے محفوظ کردیئے گئے تھے۔

فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر میں قتال کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ فرشتوں نے کبھی کسی کے ساتھ قتال نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کبھی ظلم پر گواہی نہیں دیتے تھے مگر اس میں شبہ ہے کہ یہ معاملہ تو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی تھا، رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص نہیں ہے۔

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ثریا میں گیارہ ستارے دیکھے، سہیلی کہتے ہیں، بارہ دیکھے تھے۔ قرطبی نے أسْمَاءُ النَّبي و صفاته نامی کتاب میں لکھا ہے کہ نو سے زیادہ تارے نہیں تھے، اس کو انہوں نے نظم میں بھی بیان کیا ہے:

(۱) سورۂ نجم، آیت: ۳

وَھُوَالَّذِي يَرٰى النُّجُومَ الخَافِيَةِ
مُبيّنَاتٍ فِي السَّمَاءِ العَالِيَةِ
إحْدَى عَشرَعَدفِي الثُّرَيَّا
لَنَاظِرٌسِوَاه مَاتهيّأ

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ، رسول اللہ ﷺ کی مبارک بغلیں سفید تھیں، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر شخص کی بغلیں، بالوں کی وجہ سے سیاہ رہتی ہیں۔

ابونعیم نے اپنی دلائل میں اس نص سے ثابت کیا ہے، کہتے ہیں کہ بغل کا سفید ہونا علامات نبوت میں سے ہے۔ مہلب بن ابی صفرہ مالکی نے دعوی کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالت احرام میں بھی خوشبو لگاتے تھے، ہم لوگوں کو کمزور ہونے کی وجہ سے منع کرتے تھے، کیوں کہ [بعض مرتبہ] خوشبو شہوت اور اس کے متعلقات پر اکساتی ہے۔

قضاعی نے اپنی تفسیر الناجم میں: فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبلَةً تَرضَاهَا. (۱)

سوالبتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے۔

کی تفسیر کرتے ہوئے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے، اپنی پسند کا اظہار حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کردیا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کی جانب سے فرمایا، کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اپنی محبوب چیز کا سوال کریں، اس کے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، کیوں کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی اجازت کے بغیر کسی چیز کا سوال نہیں کرسکتے۔

ابن سبع کی شفاء میں ہے کہ خچر جس سواری پر بھی رسول اللہ ﷺ سوار ہوتے تھے، وہ اسی حال پر رہتی تھی، بوڑھی نہیں ہوتی تھی، یہ رسول اللہ ﷺ کی برکت تھی، مگر کہا گیا ہے کہ یہ قول غریب ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب بیٹھتے تھے تو بیٹھنے والوں میں سب سے اونچے محسوس ہوتے

(۱) سورۂ بقرہ، آیت: ۱٤٤.

تھے، اور جب چلتے تھے تو سب سے اونچے محسوس ہوتے تھے، جو بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتا، وہ تھک جاتا تھا، یہ حدیث مشہور ہے۔(۱)

اسی طرح آپ ﷺ کی خصوصیات میں، جہاں بہت سی باتیں ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ پر قسم کا کفارہ نہیں تھا جیسا کہ زمخشری نے:

''قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُم تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ''(۲)

مقرر کر دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے کھول ڈالنا تمہاری قسموں کا۔

کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اگر تم سوال کرو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ سے قسم کا کفارہ دیا حسن بصری کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے یمین کا کفارہ نہیں دیا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دئے گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم مؤمنین کو، تعلیم دینے کی وجہ سے دیا ہے۔

مقاتل سے نقل کیا گیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے کفارہ میں، ایک غلام آزاد فرمایا تھا، حضرت ماریہؓ کو حرام کرنے کی وجہ سے۔

حضرت انسؓ کے غلام حضرت دینار سے، ایک روایت نقل کی گئی ہے، کہ ایک روز حضرت انسؓ نے اپنے ساتھیوں کی دعوت کی، جب لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے، تو حضرت انسؓ نے اپنی باندی سے کہا، ذرا تولیہ دو! وہ ایک پرانا تولیہ لے کر آئیں، اس پر حضرت انسؓ نے کہا تندور جلا کر یہ تولیہ اس میں ڈال دو، باندی نے ایسا ہی کیا تو وہ تولیہ صاف ہو کر سفید ہو گیا، ہم نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ حضرت انس نے بتایا یہ رسول اللہ ﷺ کا تولیہ تھا، جس چیز کو رسول اللہ ﷺ مس کر دیں، اس کو آگ نہیں جلاسکتی یہ حدیث عالی ہے، مگر دینار کی تضعیف کی گئی ہے۔

کلمۂ اختتام: آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے کرم و فضل

(۱) أخرجه الترمذي في المناقب ۲/ ۲۰۶. ۵/ ۵۶۳. رقم الحديث: ۳۶۴۸ وقال هذا حديث غريب.

(۲) سورۂ تحریم، آیت: ۲.

سے، اس مختصر کے جمع کرنے کو آسان فرمایا، ہم اس میں اضافوں اور مزید فوائد کا ارادہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔

کلمات ملخص: حقیقتاً رسول اللہ ﷺ کے خصائص بے شمار ہیں جن کی گنتی دشوار ہے، میں نے ''**غَايَةُ السُّولِ فِي خَصَائِصِ الرَّسُولِ**'' سے جو منتخب کیا، الحمدللہ وہ پورا ہو گیا۔

میں بندہ، عاجز الٰہی بخش [کاندھلوی] عرض کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے بہت کم وقت اور زمانہ میں اس کو میرے لئے آسان فرمایا، میں نے اس لئے لکھا، تاکہ میرے لئے نجات کا ذریعہ ہو [اس کی برکت سے میری] پریشانیوں کا حل ہو۔

میں نے اس تلخیص کے متن کو اس نسخہ سے نقل کیا ہے جس کی تصحیح محدث، میر اصل الدین واعظ نے کی تھی، اور جس میں ۱۷۸ھ میں، رمضان المبارک کے مہینہ میں شیخ کمال الدین عبدالحق بورانی نے پڑھا تھا۔ میں نے یہ تحریر یا خلاصہ کوٹہ میں مرتب کیا، ''درکوٹہ تحریر یافت''

اے اللہ! جو میں نے تحریر کیا، اس سے مجھے بھی، میری اولاد کو بھی، میرے پوتے پوتیوں کو نفع عطا فرما۔

فالحمد لله على ذلك والشكر له.

۲۴ جمادی الاول ۱۲۷۱ھ میں ہم نے اس کا [یعنی مفتی الٰہی بخش کے نسخہ پر مبنی ایک نقل کا، [جو میرے والد محترم حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہم نے تیار کرائی تھی۔ نور مؤلفہ نسخہ کی تازہ نقل کا] اصل سے مقابلہ کیا۔

العبد محمود الکنگوہی، نزیل کاندھلہ، عفی اللہ تعالیٰ عنہ